ث می 165 .

3994

سیرتِ فریدیہ

حالاتِ زندگی نواب دبیرالدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خاں بہادر
مصلح جنگ وزیر ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانیؒ

مؤلفہ :۔ سر سید احمد خاں

مرتبہ :۔ محمود احمد برکاتی

پاک اکیڈمی ۱/۱۴۱ وحید آباد۔ کراچی ۱۸

87259

انڈیا میں کتاب دستیاب ہونیکے پتے

۱۔کتب خانہ انجمن ترقی اُردو جامع مسجد دہلی ۶ انڈیا۔
۲۔مکتبہ تجلی دیوبند یو، پی انڈیا
۳۔مکتبہ نشاطِ ثانیہ معظم جاہی مارکیٹ آندھرا پردیش انڈیا
۴۔نظامی پریس محلہ سوتھ بدایوں یو، پی انڈیا

سالِ طباعت ـــــــ جون ۱۹۶۴ء

87259

بار اوّل ـــــــ ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت ـــــــ تین روپے

مطبوعہ ـــــــ ایجوکیشنل پریس۔کراچی

پاکستان میں کتاب دستیاب ہونیکے پتے

۱۔ صدیق اینڈ کمپنی بیرون لوہاری دروازہ لاہور
۲۔سلطان حسین اینڈ سنز عیدگاہ بندر روڈ کراچی

Marfat.com

سیرت فریدیہ

تالیف

سرسید احمد خاں

ترتیب

محمود احمد برکاتی

Marfat.com

مافیہا

امامت اس کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اقبال ۱۰

ابتدائیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرتب ۱۱

سرسید ۔ افکار و کردار ۔ ۔ ۔ ″ ۱۴

خواجہ فریدالدین ۔ اختصار سوانح ۔ ۔ ″ ۴۹

سیرت فریدیہ پر ایک نگاہ ۔ ۔ ۔ ″ ۶۲

سیرت فریدیہ ۔ ۔ ۔ ۔ سرسید احمد خاں ۷۳

شخصیات ۔ ۔ ۔ ۔ مرتب ۱۴۹

کتابیات ″ ۱۷۵

Marfat.com

صاحبزادہ میاں جمیل احمد ... لاہور پاکستان

فہرست مضامین

امامت اس کی	اقبال	۱۰
ابتدائیہ	مرتب	۱۱
سرسیّد — افکار وکردار	"	۱۴
خواجہ فریدالدین	"	۴۹
سیرت فریدیہ پر ایک نگاہ	"	۶۲
سیرت فریدیہ (متن) سرسید احمد خاں		۷۳
خواجہ یوسف ہمدانی		۷۶
خواجہ یوسف کی اولاد کشمیر میں		۷۶
ولادت وخان دان		۷۷
خواجہ فرید کے سات بھائی		۷۸
خواجہ فرید لکھنؤ میں		۸۰
علامہ تفضل حسین خاں		۸۱
خواجہ فرید کی شادی		۸۲
اولاد		۸۳
پھر لکھنؤ کی طرف		۸۳
فوائد الافکار کا دیباچہ		۸۴

Marfat.com

مدرسۂ کلکتہ کی ملازمت ۸۹
زمان شاہ کا عزم پشاور ۹۰
انگریزوں کا شاہ ایران سے معاہدہ ۹۱
بمبئی میں سفیر ایران کا قتل ۹۱
ولزلی کی سفیر کے ورثا سے تعزیت ۹۲
حشمت جنگ سفیر انگریز کا عزل ۹۲
ایران میں مالکم کی سفارت ۹۴
خواجہ فرید۔ وفد ایران میں ۹۶
ایرانی سفیر ہندوستان میں ۹۷
سفیر ایران سے خواجہ فرید کی دوستی ۹۸
خواجہ فرید کی کلکتہ واپسی اور سفر برما ۹۹
بندیل کھنڈ میں تحصیل داری ۹۹
دہلی واپسی ۱۰۰
شاہ عالم ثانی ۱۰۰
شاہ عالم کی غزل ۱۰۱
دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ۱۰۲
مرزا جہانگیر کا قبضہ ۱۰۴
اکبر شاہ ثانی کی "درخواست" نامنظور ۱۰۵
خواجہ فرید پھر کلکتہ میں ۱۰۵

Marfat.com

اکبر شاہ ثانی کی تنگ حالی	۱۰۶
خواجہ فرید کی وزارت	۱۰۶
خواجہ فرید نے مشکلات کے حل ڈھونڈے	۱۰۷
اہلِ قلعہ کی ناخوشی	۱۰۸
خواجہ فرید کا استعفا	۱۰۹
دوبارہ وزارت	۱۱۰
ایک یادگار تصویر	۱۱۲
آکٹرلونی سے سرسید کا سوال	۱۱۳
نادانی کا کام	۱۱۳
رام موہن رائے	۱۱۴
بہادر شاہ بھی ناکام رہے	۱۱۵
ناکامی کا اصلی سبب	۱۱۵
رنجیت سنگھ کی خواجہ فرید کو دعوت وزارت۔	۱۱۸
وفات	۱۱۹
تاریخ وفات	۱۱۹
خواجہ فرید کے تلامذہ	۱۲۰
کتب خانہ	۱۲۱
انگریزی زبان سے واقفیت	۱۲۲
خواجہ فرید کے رسائل	۱۲۲

Marfat.com

بخشی محمود خاں	۱۲۲
خواجہ فرید کے معمولات	۱۲۴
سر سید کا سبق	۱۲۵
مستا شاہ کے مرید تھے	۱۲۷
چار ابرو کا صفایا	۱۲۷
لالہ ملوک چند	۱۲۸
خواجہ وحید الدین	۱۲۹
خواجہ زین العابدین	۱۳۴
خواجہ فرید کی اولاد اناث	۱۳۵
والدۂ سر سید	
شخصیات مرتب	۱۴۹
خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانی	۱۵۱
رسول شاہ	۱۵۱
مولوی محمد حنیف	۱۵۳
علامہ تفضل حسین خاں	۱۵۴
راجہ رام موہن رائے	۱۵۶
حکیم احسن اللہ خاں	۱۵۷
مولوی کرامت علی	۱۶۰
رجب علی	۱۶۱

Marfat.com

خواجہ محمد نصیر		۱۶۲
حکیم رستم علی خاں		۱۶۳
خواجہ وحید الدین		۱۶۳
نواب زین العابدین خاں		۱۶۴
میر ناصر احمد		۱۶۵
ہمت خاں		۱۶۵
راگ رس خاں		۱۶۶
حکیم غلام نجف خاں		۱۶۶
شاہ محمد آفاق		۱۶۹
خواجہ علاؤالدین احمد		۱۷۲
فدا حسین		۱۷۳
کتابیات	مرتب	۱۷۵

Marfat.com

امامت اس کی

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(اقبال)

Marfat.com

ابتدائیہ

سیرت فریدیہ، ۱۸۹۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی، اس کی دوسری اشاعت اب ۱۹۶۴ء میں کی جا رہی ہے۔

کتاب کئی اعتبارات سے قابل اعتنا ہے، مگر کم یاب تھی اس لئے اشاعت کا اہتمام کیا گیا اور چند اغلاط و نقائص کی حامل۔۔۔ تھی اس لئے تحشیہ کی ضرورت ہوئی۔

مقدمہ کی تین فصلوں میں بہ ترتیب (۱) سرسید (۲) خواجہ فریدالدین۔(۳) اور سیرت فریدیہ پر اظہار خیال کیا ہے۔

سرسید کے افکار و کردار کے جائزے سے غالباً نہ آپ مطمئن ہوں گے نہ متفق، مگر اسے ایک نقطۂ نظر کی حیثیت سے مطالعہ فرمائیے۔ آخر اب تک صرف ایک نقطۂ نظر کا مطالعہ بھی تو کرتے رہے ہیں۔

مجھے سرسید سے کوئی نفرت نہیں ہے، ہاں، بہت سی ہستیوں سے محبت

Marfat.com

ہے، بہت سے بزرگوں سے عقیدت ہے اور بہت سے مظلوموں سے ہم دردی ہے۔ اور ان کے دفاع میں غفلت دیس وپیش میرے یہاں ناروا ہے اور ہاں مجھے نفرت بھی ہے۔ "مغربیت" سے مگر مغرب زدوں سے نہیں، طبیب صرف مرض سے جنگ کرتا ہے، مریض سے ہم دردی اس کے فرائض میں داخل ہے، مجھے کالے اور گورے دونوں قسم کے فرنگیوں سے ہم دردی ہے اور اسی ہم دردی کے وفور وجوش میں کبھی میری نوک قلم پہ "دوا تلخ" ہوتی ہے اور کبھی نشتر جراحت ـــــ کیا کر دوں؟

اِس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے!

میں نے سرسید سے اختلاف کیا ہے اور بے محابا کیا ہے، مگر سوء ظن اور سوء ادب کی ارادی سعی نہیں کی، لغزشوں اور فرد گذاشتوں پر گرفت کرنا خود انہی کے طرز فکر وعمل کی اقتدا ہے، ہاں میرا لہجہ وہاں شاید تند ہو گیا ہو جہاں ان کے سیاسی کردار کا جائزہ لیا ہے مگر امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرما دیں گے۔ شہدائے حریت کی شان میں سرسید کی گستاخیوں کو بھی تو آپ نے معاف کر دیا تھا۔

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ سرسید سے مجھے نفرت نہیں ہے، سچی بات یہ ہے کہ محبت بھی نہیں ہے، نظیری کو بھی نہیں تھی۔

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

سیرت فریدیہ کی ترتیب و تحشی کا کام میں نے اپنے فاضل دوست جناب

Marfat.com

محمد ایوب قادری۔ ایم، اے کے حکم سے کیا ہے۔

مجھ سے غالب پہ علائی نے "غزل" لکھوائی!

اور میرے شامل حال ان کی ہر نوع کی اعانت رہی ہے اتنی اعانت کہ وہ میرے شریک غالب یعنی صہبائی رہے ہیں۔

محمود احمد

برکاتی دواخانہ۔ لیاقت آباد ۴ کراچی نمبر ۱۹

یکم جنوری سنہ ۱۹۶۴ء

Marfat.com

سرسیّد

افکار و کردار

نجی زندگی ایک نظر میں

سرسید کے نجی احوال و سوانح کے سلسلے میں تفصیل میں جانے کے بجائے یہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حیات پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔

۱۸۱۷ء میں ولادت۔

۱۸۲۲ء میں آغاز تعلیم، ایک عورت سے، (۵ سال کی عمر میں)

۱۸۲۸ء میں نانا کی وفات۔

۱۸۳۴/۱۸۳۵ء میں ازدواج (۱۷ یا ۱۸ برس کی عمر میں حالی)

۱۸۳۵ء میں ترک تعلیم (۱۸ یا ۱۹ برس کی عمر میں حالی)

۱۸۳۷ء میں بڑے بھائی سید محمد خاں بہادر کے اخبار ("سید الاخبار") کا اجراء۔

۱۸۳۸ء میں والد (سیّد محمد متقی خاں بہادر) کی وفات اور صدر امین دہلی کے دفتر میں سررشتہ دار کی حیثیت سے ملازمت ("۲۲ سال کی عمر میں" حالی)۔

Marfat.com

۱۸۳۹ء میں کمشنری کے نائب منشی کی حیثیت سے آگرہ تبادلہ،

۱۸۴۰ء، ۱۸۳۹ء میں امتحان منصفی

۱۸۴۱ء میں مین پوری کے منصب پر تعین۔

۱۸۴۲ء میں فتح پور سیکری تبادلہ، مغل دربار سے "جواد الدولہ عارف جنگ" کا خطاب۔

۱۸۴۵ء میں بڑے بھائی کی رحلت۔

۱۸۴۶ء میں دہلی تبادلہ اور تجدید طلب علم۔

۱۸۴۹ء میں سید حامد کی ولادت

۱۸۵۰ء میں سید محمود کی ولادت

۱۸۵۵ء میں صدر امین کی حیثیت سے بجنور تبادلہ۔

۱۸۵۷ء میں والدہ کا انتقال،

۱۸۵۸ء میں صدر الصدور ہو کر مراد آباد تبادلہ

۱۸۶۱ء میں اہلیہ کا انتقال۔

۱۸۶۲ء میں غازی پور تبادلہ

۱۸۶۴ء میں علی گڑھ تبادلہ

۱۸۶۷ء میں بنارس تبادلہ

۱۸۶۹ء میں سفر فرنگ، سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب۔

۱۸۷۰ء میں مراجعت وطن

۱۸۷۶ء میں ۳۷ برس کی ملازمت کے بعد چھ سو روپیہ ماہانہ کا وظیفہ۔

Marfat.com

۱۸۷۸ء میں وائس رائگل لیجس لیٹیو کونسل کی رکنیت

۱۸۸۸ء میں کے۔سی۔ایس۔آئی کا خطاب۔

۱۸۸۹ء میں اڈنبرا یونی ورسٹی سے ایل۔ ایل۔ڈی (ڈاکٹر آف لاز) کی ڈگری۔

۱۸۹۸ء میں وفات (۸۱ برس کی عمر میں)

نجی زندگی پر ایک نظر

شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اگر انسان کے عہد طفلی اور دور نوجوانی کے احوال وحوادث خاندانی ماحول، بزرگان خاندان، اساتذہ وغیرہ حصہ لیتے ہیں اور ضرور لیتے ہیں تو سرسید کی اس داستان حیات میں حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

سرسید کی پرورش ددھیال میں نہیں ننھیال میں ہوئی مگر وہ ابھی گیارہ برس ہی کے تھے کہ نانا چل بسے، والد ایک آزاد طبیعت آدمی تھے اس لئے تعلیم وتربیت پر باقاعدہ توجہ نہ دی جاسکی، ۱۷ یا ۱۸ برس کی عمر میں شادی ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد تعلیم کا سلسلہ موقوف ہوگیا ۲۲ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اسی سال ملازمت کی ذمہ داری قبول کرنا پڑی، ملازمت میں دور دراز کے اضلاع میں تبادلے ہوتے رہے سات آٹھ سال بعد بڑے بھائی داغ جدائی دے گئے۔ اب گھر کے مردوں میں سب سے بڑے یہی تھے، والدہ سے بہت مانوس تھے ۵۷ء میں ان کی محبت وشفقت کا سلسلہ بھی ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگیا۔ کل ۱۸ برس

Marfat.com

متاہلانہ زندگی کے نصیب ہوئے زندگی کے باقی ۳۷ سال شریکۂ حیات کی رفاقتوں اور دل جوئیوں سے بے نصیب رہے۔ زندگی کے باقی ۳۷ سال شریکۂ حیات کی رفاقتوں اور دل جوئیوں سے بے نصیب رہے زندگی کے آخری چند سال سید محمود کی صحت جسم و دماغ کی طرف سے یاس و الم میں گذارے۔

علمی زندگی ایک نظر میں

۱۸۲۲ء میں رسم بسم اللہ

۱۸۳۵ء میں۔ ازدواج کے بعد سلسلۂ تعلیم ختم کر دیا۔

۱۸۳۷ء میں سید محمد خاں کے اخبار کا اجراء

۱۸۳۹ء میں "جام جم" کے نام سے اپنی پہلی کتاب مرتب کی جو فارسی زبان میں تیموری سلاطین کی ایک جدول کا نام ہے، یہ کتاب ۱۸۴۰ء میں شائع ہوئی۔

۱۸۴۰ء میں قوانین دیوانی متعلقہ منصفی کا خلاصہ، بڑے بھائی کی مدد سے مرتب کر کے "انتخاب الاخوین" کے نام سے شائع کیا۔

۱۸۴۳ء میں "جلاء القلوب بذکر المحبوب" کے نام سے ایک "میلاد شریف" لکھا۔

۱۸۴۴ء میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کے "تحفۂ اثنا عشریہ" کے باب دہم و دوازدہم کا اردو ترجمہ "تحفۂ حسن" کے نام سے کیا، اسی سال عربی کے ایک رسالہ کے فارسی ترجمہ کا اردو ترجمہ التسہیل

Marfat.com

فی جر الثقیل" کے نام سے کیا۔

۱۸۴۶ء میں دہلی تبادلہ ہونے پر دوبارہ تحصیل علم کا آغاز کیا۔ اسی سال اپنے نانا کے ایک فارسی رسالہ "فوائد الافکار فی اعمال الفرجار" کا اردو ترجمہ کیا۔

۱۸۴۷ء میں (۳۰ سال کی عمر میں) دہلی کے تقریباً دو سو عمارات اور ایک سو بیس مشاہیر حال و ماضی قریب پر مشتمل "آثار الصنادید" مرتب و شائع کی۔

۱۸۴۸ء میں "القول المتین فی حرکت الزمین" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔

۱۸۴۹ء میں "کلمۃ الحق" کے نام سے پیری و مریدی اور بیعت کے مروجہ طریقہ کے برخلاف ایک رسالہ مرتب کیا، ایک رسالہ "ترجمہ فیصلہ جات صدر مشرقی و صدر مغربی" شائع کیا۔

۱۸۵۰ء میں "راہِ سنت در رد بدعت" "اہل بدعت کے خلاف متبعین سنت کی تائید میں" ایک رسالہ لکھا جو اصل میں شاہ اسمعیل شہید کے رسالہ "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" سے ماخوذ ہے۔

۱۸۵۲ء میں، تصور شیخ کے جواز و حمایت میں، "نمیقہ" کے عنوان سے فارسی میں ایک رسالہ تالیف کیا اسی سال دہلی کے پانچ ہزار سالہ فرماں رواؤں کا جدول "سلسلۃ الملوک" شائع کیا۔

Marfat.com

۱۸۵۲ء میں امام غزالی کی کیمیا سعادت کے چند ابتدائی اوراق کا اردو ترجمہ کیا۔

۱۸۵۶ء میں، بجنور کی تاریخ مرتب کی، اسی سال ان کی مدون کی ہوئی "آئین اکبری" (ابو الفضل) کی پہلی اور تیسری جلدیں شائع ہوئیں۔

۱۸۵۷ء میں آئین اکبری دوسری جلد مدون کر کے مطبع کے حوالے کی مگر دوران طباعت ضائع ہو گئی۔

۱۸۵۸ء میں "تاریخ سرکشی بجنور" مرتب و شائع کی۔

۱۸۵۹ء میں، رسالہ "اسباب بغاوت ہند" شائع کیا۔

۱۸۶۰-۶۱ء میں "لائل محمڈنز آف انڈیا" کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شروع کیا جس کے کل ۳ شمارے (۲۷۲ صفحات پر مشتمل) شائع ہو سکے۔ ان میں ۲۲ مسلمانوں کی وفا کیشیوں کا بیان ہے ان ۲۲ میں سب سے پہلے خود سر سید ہیں، اسی سال رسالہ "تحقیق نصاری" اردو اور انگریزی میں شائع کیا۔

۱۸۶۲ء میں "تاریخ فیروز شاہی" کی تصحیح و تدوین کر کے شائع کی، اسی سال تفسیر اناجیل (تبیین الکلام) لکھی۔

۱۸۶۷ء میں رسالہ ہیضہ (بطریق ہومیا پاتھک) شائع کیا۔

۱۸۶۸ء میں، "رسالہ طعام اہل کتاب" تالیف کیا۔

۱۸۷۰ء میں سر ولیم میور کی "لائف آف محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چار جلدوں میں سے ایک کا جواب اردو میں لکھ کر اور اس کا انگریزی میں

Marfat.com

ترجمہ کروا کے لندن سے شائع کیا، اسی سال سفر فرنگ سے واپس لوٹتے ہی رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا جو ۱۸۷۶ء تک نکلتا رہا، اس سات سال میں سر سید نے اس ۱۱۲ مضامین لکھے۔

۱۸۷۲-۱۸۷۱ء میں ہنٹر کی کتاب "اور انڈین مسلمانز" پر تنقید اُردو اور انگریزی میں شائع کی، اسی سال "رسالہ ابطال غلامی" شائع کیا۔

۱۸۷۲ء "الخطبات الاحمدیہ" (ولیم میور کی کتاب کا جواب) کا اردو ایڈیشن شائع کیا۔

۱۸۷۹ء میں تہذیب الاخلاق کے دورِ جدید کا آغاز کیا، اب کے یہ رسالہ ۲۹ مہینے (جولائی ۱۸۸۱ء تک) جاری رہا اس عرصہ میں سر سید نے اس میں ۴۳ مضامین لکھے۔

۱۸۸۰ء میں تفسیر قرآن کی پہلی جلد شائع کی۔

۱۸۸۱ء میں "النظر فی بعض مسائل امام غزالی" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔

۱۸۸۹ء میں "ازالۃ الغین فی قصہ ذی القرنین" اور "الترقیم فی اصحاب الکھف والرقیم" کے نام سے دو رسائل تحریر کیے، تفسیر قرآن کی جلد ششم شائع کی۔

۱۸۹۲ء میں "الدعاء والاستجابۃ" اور "التحریر فی اصول التفسیر" کے نام سے دو رسائل لکھے۔

۱۸۹۳ء میں اپنے نانا کی سوانح ــ سیرت فریدیہ ــ ترتیب دی جو

Marfat.com

۱۸۹۶ء میں چھپی۔

۱۸۹۴ء میں تہذیب الاخلاق کے دور سوم کا آغاز ہوا۔ یہ ۱۸۹۷ء تک نکلتا رہا۔ اس تین سال کے عرصے میں ۳۶ شمار دن ایک سو تین مضامین شائع ہوئے۔ جن میں سے ۴۷ سرسید کے لکھے ہوئے تھے۔

علمی زندگی پر ایک نظر

یہ تھی سرسید کی علمی زندگی۔ اس کے دو حصے کیجئے (۱) تحصیل تعلیم (۲) تصنیف وتحریر۔ پہلے سرسید کے نظام تحصیل و تعلم کا جائزہ لیجئے۔ ۵ سال کی عمر سے ۱۸ سال کی عمر تک طلب علم بسر کئے مگر حقیقی سرسید نانا کے انتقال، والد کی آزادگی اور اپنی خودرائی اور عدم استقلال کی وجہ سے تعلیم غیر مرتب و ناقص اور ناکمل و ناکافی رہی[1]۔

---

[1] خواجہ حالی نے سرسید کا جو کمل نصب تعلیم حیات جاوید میں تحریر کیا ہے اس کا اقتباس (انہی کے الفاظ میں) حسب ذیل ہے: فارسی میں گلستان بوستان اور ایسی ہی ایک آدھ کتاب سے زیادہ نہیں پڑھا۔ پھر عربی شروع کی اور شرح ملا، شرح تہذیب، میبذی، مختصر المعانی، مطول پڑھیں مگر عام طالب علموں کی طرح نہیں بلکہ نہایت بے پروائی اور کم توجہی کے ساتھ اس زمانے میں طب پڑھنے کا شوق ہوگیا۔ حکیم غلام حیدر خاں سے ابتدائی کتابیں مثل قانونچہ اور موجز وغیرہ پڑھنے کے بعد معالجات میں سدیدی، شرح اسباب اور نفیسی امراض عین تک پڑھی اور چند ماہ

(باقی فٹ نوٹ صد ۲۲ پر)

Marfat.com

(بقیہ فٹ نوٹ صـ۲۱ کا)

تک ان کے پاس مطب بھی کیا پھر پڑھنا چھوڑ دیا، اس وقت ان کی عمر اٹھارہ انیس برس کی تھی، ۱۸۴۶ء میں انھوں نے کسی قدر تحصیل علم میں ترقی کی اس وقت ان کو خیال آیا کہ جو کتابیں ابتدا میں نہایت کم توجہی اور بے پروائی سے پڑھیں تھیں اور اب بالکل نسیاً منسیاً ہو گئی ہیں ان کو از سرِ نو غور و توجہ سے پڑھیئے۔ چنانچہ کچھ پچھلی پڑھائی کو تازہ کیا۔ اور قدوری، شرح وقایہ۔ اصول شاشی۔ نور الانوار۔ مقامات حریری کے چند مقامے، سبعہ معلقہ کے چند قصیدے، مشکوٰۃ، ایک حصہ ترمذی اور کسی قدر اجزاء صحیح مسلم کے پڑھے، بس اس سے زیادہ جیسا کہ خود اقرار کرتے تھے استاد سے کچھ نہیں پڑھا صـ۳۵/۴۳ اب اساتذہ کے نام حالی ہی کی زبان سے سنئے، مولوی حمید الدین نواب زین العابدین خاں (!) حکیم غلام حیدر خاں مشہور واعظ (؟) مولوی نوازش علی، مولوی فیض الحسن۔ مولوی مخصوص اللہ، ان میں سے کوئی بزرگ بھی صف اوّل کے اساتذہ و مدرسین نہیں تھے، حالی نے مولانا فیض الحسن سہارن پوری کا نام بہت خصوصیت کے ساتھ لیا ہے اور بے شک وہ بعد میں شمس العلما ہوئے۔ ہندوستان کے بہت بڑے عربی ادیب ہوئے، مصنف ہوئے مگر جس وقت سرسید ان سے پڑھ رہے تھے وہ خود دہلی کے ایک گم نام طالب علم تھے اور عمر میں سرسید سے صرف ایک سال بڑے یعنی صرف تیس سال کے تھے۔

87259

Marfat.com

انتخاب شاید خود ہی کرتے رہے اس لئے کئی اہم اور اساسی فنون[1] کو سرے سے چھوا ہی نہیں، کئی فنون میں کتابوں کا انتخاب غیر مرتب انداز میں کیا گیا، ۲۹ سال کی عمر میں دوبارہ طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے بھی تو اس "لف ونشر غیر مرتب" کے انداز میں کہ ادھر آثار الصنادید کی تسوید و ترتیب ہو رہی ہے ادھر منصفی کے فرائض ادا کر رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ بعض علما اور بعض طلبہ سے کوئی نہ کوئی سبق بھی لے رہے ہیں۔

یہی رنگ تصنیف و تحریر کا بھی ہے

وہ محنت کے عادی، سراپا عمل، جدت پسند اور غالباً مصنف کہلائے جانے کے آرزومند تھے۔ دہلی میں ۱۸۲۳ء سے پریس کا رواج[2] ہو چکا تھا۔ اس لئے کتاب لکھنے کے فوراً بعد طباعت کا اہتمام ہو سکتا تھا، معرکوں اور مباحثوں میں حصہ لینے کا ولولہ تھا، ۱۸۳۷ء میں ان کے گھر سے ایک اخبار جاری ہوا تھا اور یہی ان کی قلم کاری کی اولین جولان گاہ تھی اس کے دو سال بعد، ۲۳ برس کی عمر میں انھوں نے اپنی پہلی تصنیف مکمل کی، گویا تقریباً بیس برس کی عمر سے زندگی کے آخری لمحات تک، ساٹھ برس ان کے ہاتھ میں قلم رہا۔

تصانیف کی فہرست پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ دائرہ تحریر، تاریخ

---

[1] مثلاً علم الصرف، علم الکلام، تفسیر، اصول تفسیر، اصول حدیث۔

[2] ہندوستانی اخبار نویسی از محمد عتیق

Marfat.com

اور مسائل اختلافیہ پر محیط ہے، جام جم، سلسلۃ الملوک، آثار الصنادید۔ تزک جہانگیری، تاریخ بجنور، تاریخ سرکشی بجنور، لائل محمدنز، تاریخ فیروز شاہی، خطبات احمدیہ، سیرت فریدیہ وغیرہ کا موضوع تاریخ و سیرت ہے۔ باقی اکثر رسائل وکتب میں، سیاسی، مذہبی اور وطنی مسائل اختلافیہ پر تردید وتائید میں اظہار خیال ورائے کیا گیا ہے،

معرکوں میں حصہ لینے کا ولولہ اور مداخلت کا شوق، ان کو اپنے رجحان طبع مبلغ علم اور دائرۂ خبروآگاہی ہر چیز سے غافل کردیتا تھا، تحصیل علوم کی تکمیل تو وہ کر ہی نہیں سکے، مگر ۱۸۴۶ء میں اس طرف قدرے توجہ دے سکتے تھے۔ مگر اس وقت تک سات رسالوں کے مؤلف ومصنف بن چکے تھے اور آٹھویں کتاب (آثار) کی ترتیب میں مشغول تھے، ان سات رسالوں میں سے دو رسالے خلاقیات کے سلسلے کے تھے، آثار کے بعد بترتیب جو چار رسائل تحریر کئے وہ سب اپنے وقت کے معرکۃ آرا مسائل پر تھے۔

وہ دُھن کے پکے، عجلت پسند اور کام کو کسی نہ کسی پیمانے پر کر ڈالنے کے قائل تھے۔ اس لئے ان کی بیشتر کتابیں باعتبار موضوع و مآخذ ونوعیت وغیرہ ایسی نہ تھیں کہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوتے اور اسی لئے ان کی متعدد تصانیف میں ہم دوسروں کو شریک پاتے ہیں، انتخاب الاخوین کا تو نام ہی صراحت کر رہا ہے کہ وہ دونوں کی بھائیوں کی مشترک مساعی کا نتیجہ ہے، آثار کے متعلق حالی کا بیان ہے کہ سرسید خود اقرار کرتے تھے کہ

Marfat.com

"اس کی عبارت مولینا صہبائی کی لکھی ہوئی ہے" [۲۲۹/۲]

مواد جمع کرنے اور کتابت پڑھنے میں صہبائی کی شرکت کا بھی خود سرسید نے اقرار کیا ہے گویا آثار کی تالیف میں صہبائی برابر کے شریک ہیں، تفسیر قرآن کے لئے مولوی وحید الدین سلیم، کتب احادیث سے متعلقہ مواد فراہم کیا کرتے تھے (ص ۳۲۵/۲ حیات جاوید) خطبات احمدیہ کے لئے محسن الملک مولوی سید مہدی علی ہند سے انگلستان، مواد بھیجا کرتے تھے (ص ۲۶۳ حیات جاوید) تفسیر اناجیل کے لئے "کتب احادیث و تفسیر سے سندیں بہم پہنچانے کے لئے ایک عربی داں علم کو نوکر رکھا تھا" ص ۷۵ حیات جاوید) اس کتاب کے لئے ایک یہودی عالم ــــ سالم ــــ کی خدمات بھی حاصل کی تھیں [۱]

---

[۱] تصنیف و تالیف میں اعانت و شرکت سے بڑھ کر ایک اور صورت کا علی گڑھ کے ایک "اولڈ بوئے" نے انکشاف کیا، مولوی طفیل احمد لکھتے ہیں مسٹر بیک (پرنسپل علی گڑھ کالج) برٹش انڈین ایسوسی ایشن (کلکتہ) مسٹر سریندر ناتھ بنرجی اور بنگالیوں کے مقابلے کے لئے انسٹی ٹیوٹ گزٹ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے انھوں نے گزٹ کی ادارت خود سنبھال لینے کی خواہش ظاہر کی جسے سرسید نے بخوشی منظور کر لیا۔

چنانچہ بیک نے انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ایڈیٹوریل کالم میں مضامین لکھنا شروع کئے جو سرسید سے منسوب ہوئے" ص ۲۷۰ مسلمانوں کا روشن مستقبل۔

Marfat.com

بات یہ ہے کہ جس کام کو وہ ضروری تصور کر لیتے تھے اس کی ضرورت کا شدید احساس اور اہل و با صلاحیت اصحاب قلم کی کاہلی اور عدم توجہ انھیں مجبور کر کے میدان میں لے آتی تھی، اور وہ تیغ قلم کو بے نیام کر کے کمر بستہ ہو جاتے تھے پھر نہ انھیں متعلقہ زبانوں اور علوم میں اپنی دسترس کا خیال رہتا تھا نہ کثرت مشاغل، کم یابی کتب، تساہل رفقا اور دوسرے موانع کا، چناں چہ جب ایک ایسی کتاب (لائف آف محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جواب لکھنے کا ارادہ جس کو پڑھ کر سمجھ لینا بھی ان کے لئے سہل نہ تھا تو اپنے ذی علم احباب کو بار بار اس طرف متوجہ کیا مگر جب کوئی بھی آمادہ نہ ہوا[1] تو خود ہی ہمت کر کے ڈٹ گئے اور اس "بے سرو سامانی" کے ساتھ کہ دینی علوم سے بہرہ مند تھے نہ مغربی علوم سے آشنا، عربی پر قدرت رکھتے تھے نہ انگریزی میں درک، نہ مآخذ کی خبر نہ ان تک رسائی، مگر اس اللہ کے بندے نے ہمت نہ ہاری، تمام موانع پر قابو حاصل کیا، تمام مشکلات کو عبور اور ولیم میور کے ہذیانات کا جواب لکھ کر دم لیا اور یوں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دربار میں سرخ رو ہوئے۔

---

[1] مولانا شبلی نعمانی نے بہت بعد میں اس طرف توجہ کی، مگر جب کی تو اس شان سے کی کہ "سیرت نبوی" جیسی معیاری کتاب تحریر فرمائی، جو اردو کی مقبول ترین کتابوں میں سے ہے، بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے استناداً استعمال ہوتی ہے، بار بار چھپ چکی ہے، کئی زبانوں میں ترجمہ کی گئی ہے اور خطبات احمدیہ دو تین بار چھپ کر رہ گئی۔

Marfat.com

حالی نے صراحت کی ہے کہ دستخط کر لینے کے سوا انگریزی نہیں جانتے تھے (ص۱۹۱ و ص۲۱۱ حیات جاوید) مگر اس کے باوجود ۱۸۵۹ء میں ہندوستانیوں کو اردو زبان میں تعلیم دینے کے خلاف ایک مضمون اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا، ۱۸۷۰ء میں خطبات احمدیہ کا انگریزی ایڈیشن شائع کیا، ۱۸۷۲ء میں ہنٹر کی کتاب انگریزی میں تنقید کی۔

اجتماعی و سیاسی زندگی ایک نظر میں

۱۸۵۷ء میں، بجنور میں، فرنگی کی اعانت اور "باغیوں" اور "سرکشوں" کی سرکوبی میں جہد بلیغ کی، اس جاں نثاری کے صلے میں ایک ہزار کی قیمت کا خلعت اور دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ (دو نسلوں تک) پایا ۱۸۵۸ء میں "سرکشی بجنور" کی داستان لکھی اور چھاپی۔

۱۸۵۹ء میں، فارسی کا ایک مدرسہ قائم کیا، انہی دنوں انگریزی اور اردو میں ایک مضمون لکھ کر شائع کیا کہ حکومت نے ہندوستانیوں کو اردو میں تعلیم دینے کا جو سلسلہ رائج کیا ہے وہ غلط ہے کیوں کہ (۱) نہ اردو میں علمی کتابیں ہیں (۲) نہ اس زبان میں یہ صلاحیت ہی ہے کہ اس میں علمی تصنیف و تالیف کی جا سکے (۳) نہ یہ خوبی ہے کہ اس میں علم حاصل کرنے کے بعد جودت طبع، حدت ذہن، سلامت فکر، ملکۂ عالی، قوت ناطقہ کی پختگی، تقریر اور ترتیب دلائل کا سلیقہ پیدا ہو سکے" (ص۔ حیات جاوید) اسی سال انھوں نے اپنی زندگی کی پہلی پبلک تقریر کی جس میں ملکہ وکٹوریہ کے اعلان امن کا شکریہ ادا کیا، اسی سال رسالہ "اسباب بغاوت ہند" طبع

Marfat.com

کرائے پارلیمنٹ کے ارکان میں شائع کیا،

۶۱-۱۸۶۰ء میں "لائل محمڈنز اوف انڈیا" کے نام سے ایک سلسلۂ رسائل شروع کیا جو مفصلائٹ پریس آگرہ میں چھپتا تھا، اسی زمانے میں "تحقیق نصاریٰ" پر ایک رسالہ لکھا۔

۱۸۶۲ء میں "سائنٹفک سوسائٹی" قائم کی، اس سال سوسائٹی کے اغراض مقاصد کی اشاعت کے لئے کلکتہ کا سفر کیا۔

۱۸۶۶ء میں "علی گڑھ برٹش انڈین ایسوسی ایشن" کی بنیاد ڈالی۔

۱۸۶۷ء میں "ورنیکلر یونی ورسٹی" کی مہم شروع کی، اسی سال اُردو زبان ورسم الخط کے حمایت میں مختلف قائدین ہنود سے مراسلت اور اخبارات میں مضامین کا تبادلہ کرتے رہے، اسی سال ہومیو پیتھی (ایک جدید تر و عجیب تر طریق علاج) کی ترویج کی طرف متوجہ ہوئے اس کے لئے ایک انجمن بنائی ایک شفا خانہ جاری کیا، ایک رسالہ لکھا۔

۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۰ء تک سفر فرنگ پر رہے وہاں سے :-

حضور ملکۂ معظمہ نے مجھ کو "کمپنین آف دی
اسٹار آف انڈیا" سے معزز و ممتاز فرمایا، اب
میں احباب کی دعا سے "سید احمد خاں بہادر سی،
ایس، آئی" ہوگیا۔ اس موقع پر تمام معزز انگریز
دوستوں نے مبارکباد دی، اس درجہ کی دی
ہے اور ایسا معزز خیال کیا ہے کہ یہاں (لندن)

Marfat.com

سے باہر لارڈ لارنس نئے گورنر جنرل نے میرے
لئے جلسہ مقرر کیا اور بڑے بڑے رؤسا اور
مدبروں کو بلایا" خطوط سرسید ص۲۶

اسی سال "کمیٹی خواستگار ترقی مسلمانان ہند" ترتیب دی۔ اسی سال کمیٹی خزانۃ البضاعۃ لتاسیس مدرستہ المسلمین" قائم کی۔

۱۸۷۱-۷۲ء میں ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب اور "انڈین مسلمانز" کا جواب اردو اور انگریزی میں لکھا۔

۱۸۷۵ء میں، ملکۂ معظمہ کی سال گرہ کے دن (۲۴ مئی کو) "مدرستہ العلوم مسلمانان" کی بنیاد رکھی۔

۱۸۷۸ء میں اس درس گاہ کو اسکول سے کالج بنایا، اسی سال وائس رائے کی لیجس لیٹیو کونسل کے رکن منتخب ہوئے (اور مسلسل چار سال تک رکن رہے)۔

۱۸۷۹ء میں ایک مسودۂ قانون پیش کرکے منظور کروایا کہ ملک میں چیچک کے ٹیکہ کا جبری نفاذ کیا جائے، ایک اور مسودۂ قانون (وقف خاندانی کے متعلق) پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کی تیاری اور اعلان بھی کرچکے تھے مگر ایک قانونی رکاوٹ کی وجہ سے پیش نہ کرسکے۔

۱۸۸۰ء میں تقرر قضاۃ کے لئے ایک مسودہ پیش کیا اور وہ منظور ہوگیا۔

۱۸۸۳ء میں "محمڈن سول سروس فنڈ ایسوسی ایشن" قائم کی اسی سال

Marfat.com

"علی گڑھ محمڈن ایسوسی ایشن" قائم کی۔

۱۸۸۶ئہ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" قائم کی۔

۱۸۸۸ئہ میں "پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" قائم کی، اسی سال نائٹ کمانڈر آف دی اسٹار آف انڈیا" (کے سی، ایس، آئی) کا خطاب ملا۔

۱۸۸۹ئہ میں اڈنبرا یونی ورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر آف لاز (ایل، ایل، ڈی) کی ڈگری ملی۔

۱۸۹۷ئہ میں پبلک سروس کمیشن کے رکن منتخب کیئے گئے۔

۱۸۹۸ئہ میں جب عالم آخرت کا رخ کیا تو ایک عیسائی کی کتاب (امہات المومنین) کا رد زیر قلم تھا۔

اجتماعی وسیاسی زندگی پر ایک نظر

سرسید کی اجتماعی وسیاسی اقدامات ومشاغل کے سلسلے میں جو پہلو سب سے پہلے نظر کے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ عہد زوال کے تمام مصلحین کی طرح سرسید بھی مدت العمر ایک نہایت شدید کمزوری کا شکار رہے اور وہ ہے "ہمہ گیر جہاد"۔ یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ جس نے بھی گذشتہ پانچ چھ سو سال میں اقصائے عالم اسلام کے مصلحین ومجددین کی تاریخ کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان نیک نیت، اخلاص شعار اور بلند مقاصد مصلحین امت کی صرف جزوی وہنگامی کامیابی اور مجموعی طور پر مسلسل ناکامی کے

Marfat.com

اسباب میں سے ایک اہم سبب ان کا پرجوش جذبۂ اصلاح احوال تھا، جس نے ان کو مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب ـــ کامل انقلاب ـــ لانے اور مسلم دشمن اور اسلام دشمن طاقتوں سے ہر محاذ پر ہنگامہ گرم کر لینے پر مجبور کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اعدا بیدار اور حریف متنبہ ہو گئے اور خود قلتِ رفقاء و انصار، کثرتِ موانع و مشکلات، عدم وسائل و ذرائع اور اضمحلال و انحطاط قویٰ کے ہاتھوں حصول مقاصد سے قاصر رہے اور چاہے خود شہادت کے رتبۂ بلند پر فائز ہو گئے ہوں مگر امت مسلمہ کے حال زار کا مداوا نہ کر سکے۔

سرسید نے بد شعوری سے حیات کے لمحات آخریں تک اس "ہر جہتی جنگ" کا سلسلہ دراز رکھا، ان کے تحریری کارناموں کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ بیک وقت کئی کئی محاذوں پر وہ سرگرم ستیز رہے، متعدد فنون میں انھوں نے تردید و تائید کی بازیاں لڑیں، حیات کے متنوع شعبوں میں اصلاح و تغییر کے لئے وہ ساعی و داعی رہے سب سے پہلے مروجہ میلاد ناموں اور ان کی نامعتبر و غیر صحیح روایات کے خلاف علم اختلاف لہرایا اور صحیح و مستند روایات پر مشتمل ایک نیا میلاد نامہ - جلاء القلوب ـــ تالیف کیا۔ یہ واعظوں سے ان کی ٹکر تھی، پھر شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ہنگامہ آرا کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کے دو خاص ابواب کا اردو ترجمہ کیا یہ اہل سنت اور ارباب تشیع کے مناقشات میں شرکت ہوئی، پھر "القول المتین" میں زمین کی حرکت و عدم حرکت کے قضیہ پر اپنا فیصلہ

Marfat.com

صادر کیا یہ گویا فلاسفۂ قدیم و جدید[1] کے مباحثات میں مداخلت تھی، پھر "کلمۃ الحق" میں آداب مروجۂ بیعت کے ابطال کے درپے ہوئے، یہ دہلی کے دو متحارب و متخاصم گروہوں میں سے ایک گروہ (شہیدین و رفقاء) کی حمایت و نصرت کے مترادف تھا، پھر راہ سنت میں ارباب بدعت کو للکارا اور یہ خانوادۂ ولی اللہی کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کے خلاف نبرد آزمائی تھی۔ اس کے بعد نمیقہ لکھ کر تصور شیخ کے جواز و عدم جواز کی بحث میں محاکمہ کیا، ۱۸۵۲ء میں بہادر شاہ کی طرف سے حکیم احسن اللہ خاں اور مرزا غالب، شاہان دہلی کی تاریخ لکھنے پر مامور ہوئے تو سرسید نے بھی سلسلۃ الملوک کے نام سے ایک جدول شائع کر دیا یہ بھی دراصل نقطۂ نظر کے اختلاف کا مظاہرہ تھا۔ مرزا غالب کے برخلاف سرسید نے اس جدول میں ۱۸۰۳ء کے بعد سے سلاطین فرنگ کو متمکن کر دیا تھا، پھر ولیم میور سے پھر ہنٹر سے پھر مخالفین اردو سے، پھر بانیان کانگریس سے، مختصر یہ کہ ابتداء سے انتہا تک وہ واعظوں، بدعتیوں، شیعوں، ملاؤں، صوفیوں، فلسفیوں، ہندوؤں، عیسائی مبلغوں، فرنگی مصنفوں اور ملکی رہنماؤں

---

[1] اس دور میں مولانا فضل حق خیرآبادی وغیرہ جیسے اساطین فلسفۂ قدیم مسند درس پر متمکن تھے، ممکن ہے شمس الامراء دکن، شاہان اودھ اور دہلی کالج وغیرہ کے تراجم کی اشاعت سے طبیعیات قدیم و جدید کے یہ اختلافات، معرض بحث و کلام میں رہتے ہوں۔ چنانچہ مولانا فضل حق نے ہدیۂ سعیدیہ میں اس اختلاف سے اعتنا کیا ہے۔

Marfat.com

میں سے کسی نہ کسی سے نبرد آزما رہے اور ظاہر ہے، کہ ان طبقات سے نمٹنے کے لئے اتنی متنوع صلاحیتوں اور متعدد فنون میں اس قدر دست گاہ کی ضرورت ہے کہ کسی ایک فرد میں ان کا اجتماع شاذ و نادر ہی ہے اور اجتماع ہو بھی جائے تو کامیابی متیقن نہیں۔

سرسید کے یہاں بھی از نگ ہے!

دوسرا اہم اور غور طلب پہلو یہ ہے، کہ ان کی تقریباً اسّی سالہ زندگی کے پہلے چالیس بڑی حد تک غیر سیاسی ہیں، اور ہم اس دور میں اجتماعی جدوجہد کے آثار ان کے کردار میں نہیں پاتے اور اس چالیس[۱] سال کی تقریباً نصف مدت ان کو کمپنی کی ملازمت میں گذر چکی تھی، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی زندگی کا پہلا سیاسی اقدام کمپنی کے حسن خدمت پر منتج ہوا یعنی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انھوں نے مجاہدین حریت کا نہیں، کمپنی کا ساتھ دیا اور اس طرح انھوں نے نہ صرف کمپنی کے ایک ملازم کی حیثیت سے اپنے فرائض خدمت کی بجا آوری کی بلکہ اس سے بڑھ کر اپنی زندگی کی پہلی سیاسی جدوجہد کی اور اس کے بعد اس راہ میں ان کے قدم رُکے نہیں بڑھتے ہی رہے اور اس سفر کے ثمرات سے بھی خوب خوب متمتع ہوتے رہے، ۱۸۵۷ء کی جاں فشانیوں، وفاداریوں اور خدمات کے صلے میں ایک ہزار کا قیمتی خلعت اور دو سو روپیہ ماہ وار

---

[۱] مثلاً ۱۸۵۵ء سے پہلے انہیں کبھی پبلک تقریر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

Marfat.com

دو نسلوں تک وظیفہ پایا پھر سی، ایس، آئی "معزز و ممتاز" ہوئے پھر کونسل کی رکنیت سے مفتخر ہوتے پھر کے سی، ایس، آئی کا خطاب پایا، ڈاکٹر آف لاز کی علمی سے زیادہ سیاسی ڈگری کے مستحق تصور کیے گئے پھر پبلک سروس کمیشن کی رکنیت کا میاب اعزاز پایا۔ یہ تمام اعزاز و خطابات ہمارے علم میں انیسویں صدی کے کسی ایک فرد کو نہیں ملے اور شاید انہی ثمرات و صلات کی زنجیر تھی جس کی بدولت ہم انہیں زندگی بھر ــ بقیہ چالیس سال ــ اس راہ میں ثابت قدم و مستقبل و مستقیم پاتے ہیں، ورنہ ان کی حیات کا جلی نہیں خفی عنوان ضرور عدم استقلال و عدم استقامت ہے۔

وہ بڑی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کو تبدیل فرمالیا کرتے تھے اور کوئی علمی و عملی کام وہ جم کر نہیں کر سکے آغاز حیات میں "رد روافض" کی مہم میں حصہ لیا تھا مگر بعد میں اتنے "روادار" ہو گئے تھے کہ الفاروق کی ترتیب میں مولانا شبلی کے سد راہ ہوتے تھے، آثار کے باب چہارم میں شہیدین کی شان میں قصیدہ مدحیہ "نثر کیا تھا" مگر "تنبہ" ہونے پر تلافی کے لئے اس پورے باب ہی کو حذف کر دیا ۱۸۴۸ء میں حرکت زمین کے مسئلہ میں، قدماء طبیعین کے پلے میں اپنا پورا وزن ڈال دیا تھا مگر افکار میں "تنور" پیدا ہونے کے بعد اس کے برعکس عقیدہ کی تبلیغ کیا کرتے تھے، بیعت کے رواو نارواطریقوں پر ایک زمانے میں

Marfat.com

گفتگو کی تھی مگر پھر سرے سے تصوف ہی کے منکر ہو گئے تھے ۱۹۵۹ء میں اردو کی کم مائگی بلکہ تہی مائگی پر ایک مضمون میں داد استدلال دی تھی مگر ۱۹۶۷ء میں ورنیکلر یونی ورسٹی کا نعرہ بلند کر دیا۔

اسی طرح ناقص و نامکمل علمی کارناموں کی ایک طویل فہرست ہے ایک زمانے میں کیمیائے سعادت کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی تھی مگر چند اوراق سے زیادہ ترجمہ کا سلسلہ دراز نہیں ہوا، "وفادار مسلمانوں" پر رسائل کی اشاعت کا آغاز کیا۔ مگر تین شماروں کے بعد یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔ تفسیر اناجیل کے لئے برگ وساز فراہم کئے کام بھی شروع کیا مگر "ضروری کاموں" کی طرف متوجہ ہو جانے کی وجہ سے یہ کام ادھورا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ "ہومیا پاتھک" (ہومیوپیتھی) نامی نظام علاج کا غلغلہ بلند ہوا تو اگرچہ نہ کوئی باقاعدہ، مستقل اور مربوط نظام علاج نہیں تھا بلکہ اس کی حیثیت، خواص مفردات کی شاعرانہ تعبیر سے سوا نہ تھی مگر چونکہ جدید تھا اور گل زمین دانش وحکمت سے IMPORT ہوا تھا لہٰذا اس کا اخذ و قبول اور اس کی اشاعت و ابلاغ بھی مقتضائے ترقی پسندی اور دلیل تنور فکر ٹھہری چنانچہ ہومیا پاتھک کے اصول و کلیات کی ترویج و تبلیغ کا فرض بھی "بنام من دیوانہ زدند"۔ ایک راجہ کو اس کی سرپرستی کے لئے آمادہ کیا ایک انجمن بنائی، ایک شفاخانہ اصولاً، علاج شروع ہوا، اس کی رپورٹ شائع کی خود بھی ایک

Marfat.com

رسالہ تالیف کیا مگر ۱۸۶۷ء کی تقویم تبدیل ہونے کے بعد اس فن سے تعلق کا سراغ ۱۸۹۸ء تک نہیں ملتا، تہذیب الاخلاق تین بار جاری اور بند ہوا، تفسیر قرآن کا اختتام سفرِ حیات کے اختتام تک نہ ہو سکا، علم فلاحت پر کتابوں کا ایک سلسلہ مرتب کرنے کا ذمہ لیا تھا مگر اس ذمہ سے عہدہ برآ نہ ہو سکے اُردو ادب کی تاریخ مرتب کرنی چاہی، آغاز بھی کر دیا تھا مگر انجام کو نہ پہنچا سکے۔

عملی کاموں میں بھی یہی حال مدت العمر رہا، تعلیم کا سلسلہ ایک بار موقوف کر دیا مگر پھر شروع (اور وہ بھی کس شان سے) شروع کیا! طب کی طرف متوجہ ہوئے، افاضل اساتذہ کو چھوڑ کر صف آخر کے ایک حکیم صاحب (جن کی صرف یہ خصوصیت ہے کہ وہ ایک مشہور شاعر اور نام کے حکیم مومن خاں کے عم مکرم تھے) صرف چند کتابیں پڑھی تھیں کہ نسخہ نویسی کرنے لگے۔ مگر تشخیص و تجویز کے غیر شاعرانہ فرائض سے معاملہ نہ ہو سکا پھر طب قدیم سے وابستگی و ہمدردی کا کوئی ثبوت بقیہ مدت حیات میں نہیں دیا، ورنیکلر یونی ورسٹی کا نعرہ بلند کیا مگر نعرہ سے زیادہ بات نہ بڑھائی۔ "ایسوسی ایشن" کی ردیف میں کئی تنظیموں کو جنم دیا مگر ان میں سے اکثر کی عمر نے وفا نہیں کی کوئی "طفل مرگ" نکلی اور کوئی "جواں مرگ" ثابت ہوئی۔

غرض : اک طرفہ تماشا تھی سید کی طبیعت بھی!

Marfat.com

سید مرحوم کے دامانِ حیات پر سب سے سوا بدنما اور "نا دیدنی" داغ، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ان کی شرکت حریفانہ تھی۔

جنگ آزادی بلا شک و ریب جنگ آزادی تھی، یہ فرنگی غاصبوں کی مستعمرانہ حرص و آز کے خلاف وطن دوست ہندیوں کی ایک حرکت تھی، بظاہر نظر ناکام مگر نتائج و ثمرات کے پیشِ نظر کامیاب! ہر وطن دوست طبقہ اور فرد نے اس جنگ میں حصہ لیا اور جس طبقہ اور فرد نے اس میں حصہ لینے میں کوتاہی کی اس کی غلامانہ ذہنیت و دوں ہمتی، وطن دشمنی اور خدمت استعمار پر کوئی بڑے سے بڑا زبان آور اور "قلم دراز" بھی پردہ نہیں ڈال سکتا۔

اس جنگ میں اربابِ ہند دو گروہوں میں بٹ گئے تھے،

ایک طرف ـــ ہماری طرف ـــ بخت خاں، فیروز شاہ، فضل حق، اور محمود خاں وغیرہم تھے، جب بھی ان کا ذکر چھڑ جاتا ہے، ہمارے دل دھڑک دھڑک کر ان کو سلامی دیتے ہیں۔

دی سادگی سے جان، پڑوں کوہکن کے پاؤں

دوسری طرف ـــ ہمارے مقابل ـــ منشی رجب علی، الٰہی بخش اور سر سید وغیرہم تھے ان کے دامنوں پر فرنگیوں کی اعانت و حمایت و نصرت کا داغ ہے ان کے دامنوں کا یہ داغ ہمارے دلوں کا گھاؤ بن گیا ہے ہم نے لاکھ حسن ظن کے مرہم استعمال کئے مگر یہ گھاؤ نہ بھرنا تھا نہ بھرا، یہی وجہ ہے کہ ہزار سعی احترام و ادب کے باوصف جب

Marfat.com

بھی ان حضرات کی زندگی کا یہ پہلو معرض کلام میں آجاتا ہے، کوئی کام و دہن میں صبر و حنظل گھول دیتا ہے۔

سرسید نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اپنی سیاسی و اجتماعی زندگی کا پہلا اقدام سن ستاون کی جنگ آزادی میں حریفانہ شرکت کی شکل میں کیا یعنی وہ اس معرکہ میں ہماری صفوں میں نہیں دشمن کی صفوں میں دیکھے گئے۔ ان کی ہمدردیاں اور وفاداریاں ملک و اہل ملک کے ساتھ نہیں تھیں "حکام انگریزی" کے ساتھ تھیں اور دوسروں کا نہیں خود سرسید کا فخریہ بیان ہے کہ اس جنگ کو ناکام بنا دینے میں جن ملکیوں کی مساعی کو دخل تھا ان میں وہ بھی تھے۔

آخر انھوں نے ایسا کیوں کیا؟

اس سوال کا جواب خود انہی کی زبان سے سنیئے: انھوں نے بجنور میں مشہور مجاہد حریت نواب محمود خاں سے کہا تھا:۔

"نواب صاحب! میں صرف تمھاری خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ تم اس ارادہ کو دل سے نکال دو، حکام انگریزی کی عملداری کبھی نہیں جائے گی، اگر فرض کرو کہ تمام ہندوستان سے انگریز چلے گئے تو بھی حکام انگریزی کے سوا کوئی عملداری ہندوستان میں نہ کر سکے گا۔" ص۳۵ سرکشی بجنور

سرسید کے اس قول سے ان کا یہ جزم و تیقن متبادر ہوتا ہے کہ "اس معرکہ میں فتح ملکیوں کو نہیں غیر ملکیوں کو ہو گی"

Marfat.com

آج برصغیر پاک و ہند کا ایک آزاد شہری سوچتا ہے اور بجا طور پر سوچتا ہے کہ :-

آخر فتح و شکست کے سوال پر غور کرنے کی ضرورت کیا تھی؟
غور کیا تھا تو وہ کن دلائل کی بنا پر اس فیصلہ پر پہنچے تھے؟ کہیں
ایسا تو نہیں کہ اس فیصلہ کی بنا دلائل کے بجائے جذبات پر
ہوا!

اس فیصلہ کے باوجود کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اُدھر کے بجائے، اِدھر سے شریک ہو گئے؟

سوالات بڑے معقول نظر آتے ہیں آئیے ان پر غور کریں۔
پہلا سوال ہے کہ آخر فتح و شکست کے انداز میں سوچنے کی کیا ضرورت تھی اور آیا اس طرح سوچنے کا کوئی موقعہ بھی تھا؟

افراد و اقوام کو بعض معرکے ایسے بھی پیش آتے ہیں جن میں فتح و ہزیمت کے سوال پر غور کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی، اس معرکہ میں بہر حال حصہ لینا ہوتا ہے، میدان میں بہر صورت کودپڑنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اور حریف سے ٹکرا جانا ہی مقصود ہوتا ہے، فتح مندی مقصود و مطلوب نہیں ہوتی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر فتح و ہزیمت کے نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر انھوں نے غور کیا ہی تھا، تو آخر وہ کون کون سے دلائل ان کے ذہن میں آئے جن کی اساس پر انھوں نے فرنگی کی فتح کے پہلو کو

Marfat.com

ترجیح دی؟

اس کے جواب میں، ہمیں اپنے مطالعہ کی کمی اور نظر کی نارسائی کا اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے اور ہم بے محابا یہ اعلان کرتے کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے تقریباً تمام لٹریچر کی "ورق نوردی" کر ڈالی مگر کوئی کوئی مجمل یا مفصل برہان و دلیل اس خصوص میں دستیاب اور نظر فروز نہ ہو سکی۔

اور

اسی لئے تیسرے سوال کا جواب ہم پورے اعتماد کے ساتھ اثبات میں دیتے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ سر سید کے اس فیصلہ کی پشت پر تفکر و تعقل قطعاً نہ تھا بلکہ یہ فیصلہ سرتاسر جذباتی تھا اسکی تشکیل میں خود ان کی اس خواہش کو دخل تھا کہ برصغیر کی زمام اقتدار ملکیوں کے ہاتھ سے نکل کر E. I. C کے ہاتھ میں چلی جائے، اس طرح اس فیصلہ کا منبع اُن کا دماغ نہیں دل تھا، ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ ایسا ہونا چاہئے، اس لئے دماغ یہ سوچتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔

یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ سر سید نے خود اس کا اعتراف کیا ہے اور یہ کوئی جرم نہیں تھا جس کا وہ اعتراف کرتے بلکہ یہ اُن کی نظر میں ایک قابل قدر کارنامہ تھا جس کا انھوں نے فخریہ اظہار کیا ہے۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں جب انھوں نے لائل محمدنز کی اشاعت کا آغاز کیا تو اپنی ہی ذاتِ گرامی کو اولین اہمیت دی،

Marfat.com

پہلے شمارے میں اپنی خدمات اور وفاداریوں کا ذکر بڑے طمطراق سے کرتے ہیں۔

۱۸۵۴ء میں جب میں نے ایک تاریخ دہلی کی پرانی اور اگلی عمارتوں کی لکھی تو اس میں سلسلہ سلطنت مغلیہ کا ۱۸۰۳ء سے یعنی جب سے لارڈ لیک سپہ سالار سلطنت انگلشیہ نے دہلی کو فتح کیا، منقطع کیا اور ہندوستان کی سلطنت میں سلسلہ شاہان انگلستان کا قائم کیا، اس سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس ہنگامے سے پہلے میری نیت یہی تھی کہ تمام اہل ہندوستان جان لیں کہ اب سلطنت

لہ ۱۸۵۲ء میں "سلسلۃ الملوک" کے نام سے جو جدول شائع کیا تھا، آثار کی اشاعت ثانی میں اس کو باب اوّل کے طور پر ملحق کر دیا۔ اس جدول میں ہر بادشاہ کے لئے ایک خانہ مخصوص کیا تھا، اس طرح شاہان دہلی کے خانے یوں تبدیل ہونے چاہئے تھے، شاہ عالم (جلوس ۱۷۵۹ء وفات ۱۸۰۶ء) اکبر شاہ ثانی جلوس ۱۸۰۶ء وفات ۱۸۳۷ء) بہادر شاہ (جلوس ۱۸۳۷ء)۔ مگر چوں کہ "جنرل لیک نے دہلی کو فتح کیا" اس لئے اب اس ترتیب سے شاہان انگلستان خانہ نشین کئے گئے ہیں۔ شاہ جارج سوم (فتح دہلی ۱۸۰۳ء انتقال ۱۸۲۰ء) شاہ جارج چہارم (جلوس ۱۸۲۰ء انتقال ۱۸۳۰ء) شاہ ولیم چہارم (جلوس ۱۸۳۰ء انتقال ۱۸۳۷ء) ملکہ وکٹوریہ (جلوس ۱۸۳۷ء)۔

Marfat.com

خان دان مغلیہ کی ختم ہو گئی اور ہندوستان کی بادشاہت
شاہان انگلستان کی ہے اس لئے تمام رعایا کو اپنے بادشاہ
اور گورنمنٹ انگلشیہ کی خیر خواہی اور اس سے محبت پیدا
کرنی چاہئے۔"
" لائل محمڈنز اوف انڈیا" مطبوعہ مفصلائٹ پریس آگرہ۔

یہ عبارت، کمپنی کے لئے سرسید کے خیر خواہ اور وفادارانہ جذبات کو عیاں عیاں بیان کر رہی اور بتا رہی ہے کہ کس طرح وہ خواہش کو حقیقت سمجھ لینے کی نفسیاتی کمزوری کا شکار تھے، اسی میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ ان کا یہ خیال ۱۸۵۷ء سے پہلے[1] ہی تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے، کہ یہ معرکۂ جہاد جو مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہوا تھا اور اس طرح یکایک دفعتاً شروع ہوا تھا کہ زیرک و چالاک فرنگی حکام کو بھی اس کی سن گن نہیں ملی تھی اس لئے اس کے عواقب ونتائج کے متعلق اگر کوئی رائے قائم کی جاسکتی تھی تو وہ معرکہ

---

[1] ۱۸۵۴ء میں جس کتاب کے لکھنے کا وہ ذکر کر رہے ہیں وہ آثار الصنادید (اشاعت ثانیہ) ہے، آثار کی یہ اشاعت اصل میں ۱۸۵۲ء میں طبع ہو گئی تھی۔ مگر دیباچہ کی طباعت ۱۸۵۴ء میں ہوئی تھی اس لئے ۱۸۵۴ء میں اس کی اشاعت بتائی جاتی ہے مگر اس خیال کی تاریخ تو ۱۸۵۲ء ہی کی ہوئی!

Marfat.com

معرکہ بپا ہونے کے بعد ہی کی جا سکتی تھی، نہ کہ پہلے سے، وہ بھی ۱۸۵۷ء میں، چھ سال پہلے سے، اتنے پہلے جو رائے قائم کی گئی ہے وہ یقیناً حقائق و واقعات کی اساس پر مبنی نہیں ہو سکتی اور اسی لئے اس کو "رائے" نہیں کہا جا سکتا، رائے ہوتی ہے، فکر کا نتیجہ اور فکر کے لئے ترتیب مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے، جہاں سرے سے مقدمات ہی کا وجود نہ ہو، صورت حالات ہی سامنے نہ ہو، فریقین کا تعین نہ ہو، ان کے عزائم و مقاصد، طرفین کی تعداد اور تیاریوں، کماں داروں کی صلاحیتوں اور تجربے، سپاہیوں کے احساسات کا علم نہ ہو۔ وہاں کسی قسم کی — صحیح و غلط، معقول و نامعقول — رائے قائم نہیں کی جا سکتی، دماغ آخر سوچے گا تو کیا سوچے گا؟ ہاں! دل ان ہونی بات کی بھی چاہت کر سکتا ہے اور محالات کی تمنا پر بھی اس کے لئے کوئی قدغن نہیں ہے۔

رہا یہ کہنا کہ آپ اس بات کو سر سید کا نتیجۂ فکر نہ مانیں اور مبنی بہ دلائل نہ تسلیم کریں خواہش و آرزو ہی کہہ لیں، بہرحال صحیح تو نکلی، پوری تو ہو کر رہی — تو اصل میں کتنا مغالطہ ہے، حالات بدل جانے اور وقت گذر جانے کے بعد جب ہم ان حالات اور اس وقت میں کسی شخص کے افکار و کردار کا جائزہ لینے بیٹھیں گے تو صورت یوں نہیں کہ بے شک اس نے جو رائے قائم کی تھی وہ صحیح ثابت ہوئی"۔

Marfat.com

صحیح انداز فکر یہ ہے کہ اس کی تحقیق کریں کہ اُس وقت اور اُن حالات میں اس شخص کے دلائل کیا کیا تھے؟ اور وہ کتنے محکم، قوی اور جان دار تھے؟ کیوں کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے جو رائے قائم کی ہو وہ بے بنیاد ہو، جذبات پر مبنی ہو، اغراض پر مبنی ہو، خواہش پر مبنی ہو اور اس لیے اُس وقت ایک رائے کی حیثیت سے غلط ہو، مگر بعد میں حالات کے الٹ پھیر اور اتفاقات وغیرہ نے اس غلط رائے کو صحیح ثابت کر دکھایا ہو۔

اس انداز فکر میں ایک فائدہ یہ ہے کہ رونما ہونے والے نتائج تو رونما ہو کر رہے مگر اس شخص کو قوت فیصلہ کے متعلق ہم خود ایک فیصلہ کر سکتے ہیں۔

دو شخص آمادۂ پیکار ہوں، ایک تیسرا شخص نمودار ہو کر ان میں سے ایک کو خبردار کر دے کہ تو مغلوب ہو گا" اور یہ کہہ کر وہ دوسرے کی اعانت کرنے لگے اور نتیجۃً جب پہلا مغلوب ہو جائے تو اپنی دانائی، پیش بینی اختر شناسی اور علم المغیبات کا سکہ جمانے چلے کہ دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ تو مغلوب ہو گا آخر وہی ہوا"

آپ سوچیں تو بالکل یہی کردار سرسید کا تھا، معرکہ جہاد کی ناکامی کے اسباب میں سے ایک اہم، ناقابل فراموش و درگذر سبب' ان "وفاداران بریطانیہ" کا وجود مسعود بھی ہے۔

Marfat.com

اس مرحلہ پر بجا طور پر یہ خیال ہوتا ہے، کہ کاش! ایسا ہوتا کہ اس "رائے" کے باوجود سر سیّد اور ان کے رفقاء کرام اس معرکہ میں فرنگیوں کے بجائے اہل ملک کی طرف سے شریک ہوتے" مگر یہ خیال، خیال ہی نہیں محال و جنوں بھی ہے۔ ذہنی امراض میں سے ایک مرض اپنی رائے پر اصرار بھی ہے، سید مرحوم میں بھی یہ مرض[1] تھا، وہ اپنی ہر رائے کو حتمی طور پر ظاہر کیا کرتے تھے، ان کا ہر خیال عقیدہ بن جاتا تھا، ان کی ہر بات میں قطعیت[2] ہوتی تھی اور ہر قول میں ادعا! اس لئے بھلا اس کا امکان کہاں تھا کہ وہ اختلاف رائے کو اکثریت کے فیصلہ کے آگے تج دیتے اور معرکہ میں اپنا بوجھ ملکیوں کے پلّے میں ڈال دیتے" یہ باتیں صرف زندہ و بیدار اقوام و جماعات کے ساتھ مختص ہیں کہ "فرد"، خود کو اجتماع میں گم کر دیتا ہے اور اپنی انفرادی رائے کو نظر انداز کر کے اجتماع فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور پورے خلوص و صداقت کے ساتھ، قومی یا اجتماعی فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے سر و برگ فراہم کرنے لگتا ہے تا آں کہ

---

[1] مولینا حالی نے بڑی تفصیل سے اس مرض کا اعتراف کیا ہے۔

[2] چاہے پھر اس حتمی اور قطعی رائے اور عقیدہ کی تردید ہی کیوں نہ کرنی پڑے، اور لطف یہ ہے کہ تردید بھی اسی نشان قطعیت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

Marfat.com

وہ تجویز، عمل کی کسوٹی سے دوچار ہونے کے بعد اپنے عیب وصواب کو اجاگر کر دیتی ہے اگر اکثریت کی منظور کردہ وہ تجویز صائب وصحیح ثابت ہوتی ہے تو یہ فرد خوش ہوتا ہے کہ میری قوم یا جماعت نے صحیح فیصلہ کیا تھا (حالاں کہ انفرادی طور پر یہ اس کی شکست ہوتی ہے) اور وہ تجویز صائب وصحیح ثابت نہیں ہوتی تو یہ رنجیدہ ہوتا ہے کہ ہماری مساعی لاحاصل رہیں (حالاں کہ ذاتی طور پر یہ اس کی فتح ہوتی ہے

اس کے برعکس، ہمارے یہاں یہ عالم ہے کہ "تصورات ونظریات" کو "عقائد" کی طرح ذہن وفکر پر مستولی کر لیا اور ان عقائد کے لئے پوری قوم سے منقطع ہو کر اغیار کے حامی وناصر بن گئے، جب اغیار غالب ہو گئے تو شادیانے بجاتے ہوئے نہیں تھکتے، دیکھئے تو جو شخص اپنے کسی دعوے کے صحیح ہونے پر اتراتا ہے وہ دعویٰ اس کے افکار کا ہیں جذبات کا مظہر ہوتا ہے، سرسید "لائل محمدنز" "سیرت فریدیہ"[1] اور اپنی اکثر تحریروں میں بار بار سقوط دہلی کو فتح دہلی سے

---

[1] "اسباب بغاوت ہند" "سرکشی بجنور" اور "لائل محمدنز" کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کا زمانہ تھا ہر طرف خوف ودہشت کا دور دورہ تھا اس لئے وہ قابل معافی ہیں مگر یہ "سیرت فریدیہ" ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، کیا اس وقت بھی دہشت طاری تھی؟

Marfat.com

تعبیر کرتے ہیں، گویا

جو فتح تیری ہے وہی میری شکست ہے

ہمارے لئے دھلی کا ہاتھ سے نکل جانا

عجب اک حادثہ سا ہوگیا تھا،

اس لئے ہماری تاریخ کا یہ ورق گل بوٹوں سے مزین نہیں کیا جاتا، اس حرکتِ قومی کی ناکامی ہماری تاریخ کا دل خوش کن قابل فخر اور لائق مسرت واقعہ نہیں، دل خراش، اندوہ ناک، غم انگیز اور شائستہ ماتم دل خراش حادثہ ہے ہم اس کو اپنی بدبختی اور محرومی قسمت تصور کرتے ہیں کہ ہماری یہ جدوجہد کامیاب نہ ہو سکی، مگر ہم اس کو اپنی شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں فتح و شکست کا جو معیار انھوں نے بنایا ہے وہ ایجاد بندہ ہے نہایت گندہ ہے۔

سن ستاون کے معرکے میں اہل وطن ظاہر بیں نگاہوں میں مغلوب و مفتوح ہوئے تھے، لیکن دیدۂ حقیقت نگاہ میں یہ غزاۃ و شہدا فوز و فلاح کے رتبۂ بلند پر متمکن ہو گئے تھے۔

کام کی نکلیں مری ناکامیاں!

فرنگی ظالم و غاصب فتح مند نہیں ہوئے تھے بلکہ حکمرانی و معدلت کی آزمائش میں ڈالے گئے تھے، وہ اس منصب پر متمکن ہو گئے تھے جس کے اہل نہیں تھے، چناں چہ اپنے جبر و تشدد کے ہاتھوں بہت جلد بدنام اور معتوب و مغضوب ہو گئے اور

Marfat.com

ایک صدی بھی وہ ہماری دھلی پر قابض و متصرف نہ رہ سکے تھے کہ انھیں مراجعت پر مجبور ہونا پڑا۔

دیدی! کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب راسحر کند

سر سید ۱۸۹۸ء تک اس "یقین" میں "مبتلا" رہے کہ حکام انگریزی کی عمل داری ہندوستان سے کبھی نہ جا سکے گی" اور اسی یقین کی وجہ سے وہ فرنگی کی ہرجہتی خدمات مسلسل و علی الاتصال انجام دیتے رہے حال آں کہ برادران وطن نے انیسویں صدی کے اواخر میں ہی اپنے مطالبات (مخالفت اردو، انسداد ذبیحۂ گاؤ وغیرہ) کی مہم شروع کر دی تھی اور بیسویں صدی میں، سر سید کے انتقال کے سات سال بعد ہی تقسیم بنگال کے لئے انھوں نے نہایت پر زور اور مؤثر آئینی و غیر آئینی احتجاج کیا جس کے نتیجے میں حکومت کو اپنا قدم ۱۹۱۱ء میں واپس لینا پڑا اس کے دو سال بعد ہی ۱۹۱۳ء میں سر سید کے برادران ملت نے مسجد کان پور کے سلسلے میں جو احتجاجی اقدامات کئے وہ کاروان جہاد آزادی کے لئے بانگ درا ثابت ہوئے اور پھر تو اس سامراج کے خلاف جو گونجتا گرجتا کارواں چلا ہے تو آزادی کی منزل مراد پر جا کر ہی ٹھہرا اور سر سید کی وفات کو پوری

Marfat.com

نصف صدی بھی نہ بیتی تھی کہ حکام انگریزی کی عمل داری سرزمین ہند کو داغ مفارقت دے چکی تھی۔

الحاصل

سرسید انیسویں صدی کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ ایک ایسی شخصیت جو اس صدی کے ۳/۴ حصے پر حاوی و محیط رہی اور جس نے اس عہد کے متعدد "اشخاص" کو "شخصیات" بنا دیا۔

وہ ذاتی طور پر بہت سے محاسن و محامد اخلاق و سیرت کے حامل تھے۔
وہ ایک مصنف کی حیثیت سے بجا طور پر فراموش کر دیئے گئے ہیں۔
اجتماعی مسائل میں انھوں نے ہماری خدمت نہیں بد خدمتی کی۔
خدا بخشوں کو بخشے مر گیا اور ہم کو مرنا ہے!

خواجہ فریدالدین

برصغیر پاک و ہند کے "مستغربین" (OCCIDENTALSTS) کی تاریخ جلال الدین محمد اکبر (۱۵۵۶ء-۱۶۰۵ء) کے عہد سے شروع ہوتی ہے، اکبر فرنگ و اہل فرنگ سے غیر معمولی متاثر و مرعوب تھا اس لئے اس کے عہد میں فرنگی فنون، زبانوں اور مصنوعات کی خاصی اشاعت ہوئی اس کے شوق کو دیکھ کر غیر ملکی سیاح، تجار اور سفرا اپنے یہاں کی مصنوعات اور پیداواریں لاکر نذر کرتے، امراء دربار بھی بطور خود بہت سی اشیا منگاتے اور اکبر کو پیش کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرتے یہی حال مغربی زبانوں اور علوم کا تھا۔ کچھ اکبر کے حکم سے اس طرف متوجہ

Marfat.com

ہوئے اور کچھ اس کے رجحان کو دیکھ کر بطور خود اس طرف مائل ہوئے۔ اور اس طرح خاص اس کے دور میں فرنگی زبانوں میں نوشت و خواند کی استعداد رکھنے والوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی اور لاطینی وغیرہ سے چند کتابیں ترجمہ بھی کی گئیں، سید مظفر، ابوالفضل، شاہ زادہ امرا و مراد عبدالستار قاسم، خان خاناں عبدالرحیم خاں برصغیر کے اولین فرنگی داں تھے اور ان کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

مستغربین ہند کو ہم مجبوراً کئی گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جنھوں نے سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے علوم و السنہ مغرب سے اعتنا کیا، دوسرا گروہ ان حضرات کا تھا جو دیسی درباروں[1] کے سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لیے سفر فرنگ پر مجبور ہوئے اور اس سفر نے ان کو وہاں کے علوم سے آشنا کیا، تیسرے گروہ نے خود اپنے شوق سیاحت کے طفیل یہ واقفیت حاصل کی۔ چوتھا گروہ جو برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور پھیلتی ہوئی حدود کو دیکھ کر فرنگیوں سے انتفاع و تمتع کی خاطر ان کے علوم و صناعات کی جانب مائل و راغب ہوئے اور نتیجۃً کارکنان کمپنی سے خوب خوب مستفیض ہوئے۔ ہمارے نزدیک خواجہ فریدالدین احمد اس آخری گروہ میں محسوب ہیں۔

---

[1] مثلاً اودھ، ٹیپو وغیرہ۔

Marfat.com

برطانوی کمپنی کا دائرہ غضب و استحصال خواجہ فریدالدین کے عہدِ شباب (اٹھارویں صدی کے ربع آخر) میں بیشتر جنوبی ہند تک محدود تھا، اس لیے استغراب بھی اس وقت تک انہی اطراف میں محدود رہا، خواجہ فریدالدین احمد شمالی ہند کے ان گنتی کے دو لوگوں میں ہیں، جنھوں نے بدیسی علوم اور زبانوں کی تحصیل کی وہ جدید علم ہیئت سے بھی واقف تھے اور زبان انگریزی بھی انہیں شد و مد تھی۔

وہ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے گویا یہ وہ دور ہے کہ مرکز میں محمد شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہے، بنگال میں علی وردی خاں کی صوبے داری ہے۔ اودھ کے صوبے دار سعادت خاں مرکز سے اعلان بغاوت کر چکے ہیں، پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کا پہلا حملہ ابھی ابھی ہوا ہے، علماء و صوفیا میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، میر غلام علی آزاد بلگرامی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مرزا مظہر جان جاناں، شاہ عبداللطیف بھٹائی، شاہ نیاز احمد بریلوی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، شاہ غلام علی دہلوی اور شعراء میں میر، سودا، درد، نظیر، میر حسن، حاتم، اسچل سرمت، آتش وغیرہ کا دور ہے۔

خواجہ فریدالدین نے ایک کشمیری الاصل تاجر گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے بزرگوں میں کئی پشتوں تک کسی اہل علم کا ذکر نہیں کیا گیا خود ان کے سات بھائیوں میں سے

Marfat.com

دونوں جوانی ہی میں چل بسے تھے، دو بھائیوں کو سرسید نے صوفی و درویش کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ایک بھائی کمپنی کے ملازم تھے ایک بھائی سندھیا کی فوج میں سواروں میں تھے ایک بھائی قلعۂ معلیٰ میں خدمت گار تھے اس گھرانے کو ہم صاحبِ ثروت مقتدر اور علمی گھرانا نہیں پاتے۔

خواجہ فرید الدین کی ابتدائی تعلیم، اساتذہ وغیرہ کے متعلق ہم قطعاً لاعلم ہیں، ہاں ۳۵[1] سال کی عمر میں علوم ریاضیہ کی تحصیل کے لیے وہ لکھنؤ گئے تھے اور تین سال وہاں رہ کر علامہ تفضل حسین سے جدید ریاضیات کی تحصیل کی تھی۔

سنہ ۱۷۷۹ء میں ۳۲ سال کی عمر میں ایک کشمیری گھرانے میں ہی شادی ہوئی، اولاد میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں اولادیں باہم تین تین سال کا فصل رہا اور ۱۷۹۲ء میں یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور غالباً ان کی اہلیہ وفات پاگئیں۔

خواجہ فرید الدین پچاس سال کی عمر تک (تین سال سفر لکھنؤ چھوڑ کر) دلی ہی رہے۔ اس نصف صدی میں ان کے مشاغل و مصروفیات اور

---

[1] علامہ تفضل حسین کا قیام لکھنؤ میں پہلی بار تو خود اپنے طلب علم کے دور میں رہا تھا، اور دوسری بار وہ ۱۷۸۲ء سے ۱۷۸۷ء تک پانچ سال لکھنؤ رہے، ظاہر ہے کہ خواجہ نے اسی پانچ سالوں میں سے کسی تین سالوں میں یہ سفر کیا ہوگا جب کہ وہ ۳۵ سے ۴۰ سال کے درمیان تھے۔

Marfat.com

حالات و واقعات سے ہم لاعلم ہیں۔ سرسید نے سیرت فریدیہ میں ان کی اِنگ زندگی کو بالکل سپاٹ رکھا ہے۔ معاصر تاریخوں اور کتب تراجم میں بھی ہمیں ان کی سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔

۱۷۹۷ء میں (پچاس سال کی عمر میں) وہ دوبارہ لکھنؤ کی طرف رُخ کرتے ہیں مگر اس سفر کے محرکات و مقاصد پردۂ خفا میں ہیں۔ سرسید کا قلم بھی مہر بلب ہے اس لئے قیاس و تخمین سے اس خلا کو پُر کیا جا سکتا ہے وہ اس طرح کہ خواجہ فریدالدین نے دہلی کی زوال پذیر شاہنشاہی اور بے اثر و بے بصر شہنشاہ کی بے کسی کے حال و مستقبل کا جائزہ لیا ہوگا اور اپنی جولانیوں کے لئے اس میدان کو تنگ پایا ہوگا پھر شاہ عالم کی شاہی بھی وزارتوں کے اشارہائے چشم و ابرو پہ چلتی تھی اور وزارتوں کے تلون تنوع سے "نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد"۔ غازی الدین خاں کے بعد روہیلے، روہیلوں کے بعد مرہٹے، مرہٹوں کے بعد پھر روہیلے، ان حالات میں اپنی نیازمندیوں اور عقیدت کیشیوں اور خدمت کوشیوں کے لئے کسی ایک آستانے کا انتخاب اور کسی ایک گروہ سے کھلی کھلی وابستگی حصول مقاصد کے لئے بالعموم مانع و حارج ہوتی ہے، رہی ہر آستانہ سے یک سال عقیدت اور ہر گروہ سے بیک وقت وابستگی تو اس کے لئے فطانت و دراکی اور جرأت و بے باکی کی ذرا زیادہ مقدار مطلوب ہوتی ہے۔

اس لئے ایسے حالات میں بالعموم حافظ شیراز کا ایک شعر کانوں میں گونجنے لگتا ہے۔

Marfat.com

ے ما آزمودہ ایم دریں شہر بخت خویش
باید بروں کشید ازیں ورطہ رخت خویش

حافظ کا یہ شعر اور بہت سوں کے کانوں میں گونج چکا تھا۔ چناں چہ اس عہد کے متعدد فن کار اور ہنرور احرام اودھ بہ سر نظر آتے ہیں۔ بہر حال خواجہ فرید الدین نے رختِ سفر لکھنؤ باندھا مگر "کشش کاف کرم" انھیں لکھنؤ سے پرے لئے جا رہی تھی۔ چناں چہ سرسید کے بیان کے مطابق وہ اسی سال ۱۷۹۷ء میں لکھنؤ کے فرنگی حکام کی سفارش سے ملازم ہو کر کلکتہ چلے گئے۔

ان کے قیام کلکتہ کی مدت چھ سال ہے اس شش سالہ وابستگی داماں کی مدت میں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس انہماک اور تن دہی سے "حکام والا شان صاحبان انگریز کی خدمت کا حق ادا کیا کہ کمپنی نے ایک اہم سفارتی مہم کے لئے ان کو منتخب کیا۔

اس داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ زماں شاہ ابن تیمور شاہ ابنِ احمد شاہ ابدالی فتح ہند کا عزم رکھتا، کمپنی نے اس فتنہ کے سدباب کے لئے والیِ ایران فتح علی شاہ قاچار سے مراسم پیدا کر کے ایک معاہدہ کر لیا یہ معاہدہ زماں شاہ کے لئے ابتداً دردِ سر اور انتہاً بلا رجاں ثابت ہوا اسی معاہدہ کے بعد کمپنی طرف سے نواب مہدی علی خاں جب حشمت جنگ سفیر ہو کر ایران بھیجے گئے مگر وہ ناکام رہے اس لئے بلا لئے گئے اور چند افراد پر مشتمل ایک سفارتی وفد بھیجا گیا اس وفد کے ایک رکن خواجہ فرید الدین بھی تھے، یہ وفد مستقل قیام

Marfat.com

کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ صرف ایک مسئلہ پر شاہ ایران کو آمادہ کرنا مقصود تھا، یہ پورا ہو گیا تو یہ وفد واپس آ گیا۔

خواجہ فرید الدین کو مراجعت کلکتہ کے بعد ایک اور سیاسی و سفارتی مہم پر ۱۹۱ (؟) سلطنت گاہ برما بھیجا گیا اور وہاں سے بھی وہ اپنے فرائض و مستحبات کو بحسن و خوبی ادا کر کے لوٹے تو اندرون ملک ہی ان کو ایک خدمت کے لئے مامور کیا گیا یعنی علاقہ بندیل کھنڈ کے ایک ضلع (باندہ) کے ایک موضع (اوگاسی) میں مال گذاری وصول کرنے پر متعین کئے گئے اور کچھ دن تک اس منصب پر رہنے پائے تھے کہ وہاں ضلعی نظام کی شکل تبدیل ہو گئی۔ اس لئے خواجہ فرید الدین کنارہ کش ہو کر ۱۸۱۰ء (؟) میں دہلی واپس آ گئے۔

وہ ۱۸۰۳ء میں ایران گئے تھے اور ۱۸۱۰ء میں دہلی واپس آ گئے اس سات سال میں ایران، برما اور بندیل کھنڈ میں قیام کے تعین کا تعین کرنے سے ہم معذور ہیں۔

بہرحال بارہ تیرہ سال بعد وہ دہلی واپس آئے اب دہلی کے زمین و آسمان بدل چکے تھے، وہ دہلی مرحوم ہو چکی تھی جس میں خواجہ فرید الدین پوری نصف صدی بے روزگاری اور گم نامی میں بسر کر چکے تھے، ۱۸۱۰ء کی دہلی "ان کی کمپنی" کی "مفتوحہ" دہلی تھی اپنے لارڈ لیک کی دہلی تھی، جنرل آکٹرلونی کی دہلی تھی۔ مختصر یہ کہ اب ماحول بہت سازگار تھا اس لئے کہ اکبر شاہ ثانی کو کمپنی سے معاملہ کرنے کے لئے ایک ایسے آدمی کی ضرورت

Marfat.com

تھی جو فرنگی حکام سے روابط رکھتا ہو۔ اپنے داماد (سید محمد متقی خاں) کی سفارش پر اکبر شاہ ثانی نے خواجہ فریدالدین کو اپنا وزیر بنا لیا اور "دبیرالدولہ امین الملک مصلح جنگ" کا خطاب دیا۔

معاملہ یہ طے کرنا تھا کہ کمپنی شاہ کو مقررہ مجوزہ ماہانہ رقم پیش کرنے سے گریزاں تھی، رقم کی کمی سے شاہ کے آمد و صرف کا توازن بگڑ گیا تھا اس لئے وہ ایسی موثر وکالت کے خواہاں تھے کہ جو اصل رقم کو بحال کرا دے۔ کلکتہ نشینوں سے خواجہ فریدالدین کی رسم و راہ کی بنا پر یہ توقع دلائی گئی کہ وہ یہ مہم سر کر سکیں گے۔ مگر انھوں نے وزیر ہو کر خلاف توقع آمد و صرف کے توازن کا ایک نرالا حل تجویز کیا، یعنی صرف کو اتنا گھٹایا کہ آمد کے متوازن ہو گیا نیز قلعہ معلی کے ساز و سامان کو بھی فضول ٹھرا کر فروخت کرنا شروع کر دیا اور رقم میں اضافہ کی مطلق سعی نہ کی۔

اس صورت حال سے قلعہ معلی کے متوسلین میں اضطراب کی ایک لہر پیدا ہو گئی اور خود شاہ نے بھی اس انداز فکر و عمل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا لامحالہ خواجہ فریدالدین کو کرسئ وزارت خالی کرنا پڑی اور وہ دہلی چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آمد و صرف کا وہ مصنوعی توازن پھر عدم توازن میں تبدیل ہو گیا اس لئے شاہ نے ایک مراسلہ تیار کیا جس میں اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کے باعث رحم طلبانہ لب و لہجہ اختیار کیا اور اپنا حق ثابت کرنے کے بجائے دہی اخراجات کی کثرت کی شکایت کی گئی اور "درخواست" کی گئی کہ رقم میں اضافہ کر کے

Marfat.com

اس شکایت کا ازالہ کیا جائے۔ لیکن اس مراسلہ کی کلکتہ روانگی سے پہلے سید محمد متقی خاں نے شاہ سے کہا کہ خواجہ فرید الدین کلکتہ ہی میں ہیں وہ حکام رس ہیں ان سے پوچھا جائے گا تو اس مراسلہ کی صحت سے انکار کر دیں گے اور آپ کے سابق وزیر کی حیثیت سے گورنر جنرل کو بتا دیں گے کہ آمد و صرف کے عدم توازن کی بات غلط ہے۔ شاہ پر اس "تقریر" کا جادو چل گیا اور اس طرح دوبارہ ان کی وزارت کا اہتمام ہو گیا۔ خواجہ فرید الدین دھلی بلائے گئے اور ۱۸۱۹ء میں دوبارہ وزیر بنا دئے گئے۔ مگر

> "اس دفعہ کے تقرر میں بھی نواب دبیر الدولہ نے در حقیقت ماہ واری پنشن کے اضافہ کی جو بنام پیش کش بادشاہ کے لئے مقرر تھی کوئی کوشش نہیں کی اور ہمیشہ لیت و لعل کرتے رہے جس کے سبب بادشاہ کی کشیدگی بڑھتی گئی۔"

(سر سید — سیرت فریدیہ)

اور بالآخر انہیں دوبارہ وزارت سے دست کش ہونا پڑا۔ مگر چلتے چلتے وہ ایک تجویز شاہ کو پیش کرتے گئے، تجویز یہ تھی کہ کوئی وکیل کلکتہ کے بجائے لندن بھیجا جائے اور اس منصب کے لئے رام موہن رائے کا نام بھی پیش کر دیا شاہ نے یہ تجویز قبول کر لی اور رام موہن رائے کو دہلی آنے کی دعوت بھی دے دی گئی۔ رام موہن رائے کی داستان آپ اصل کتاب اور حواشی میں پڑھیں گے۔

Marfat.com

وزارت سے کنارہ کشی کے بعد راجہ رنجیت سنگھ والیٔ پنجاب کی طرف سے دعوت وزارت آئی مگر ضعف قویٰ اور "دو عملی"[1] کی مشکلات کے پیشِ نظر وہ یہ دعوت قبول نہ کر سکے اور گوشہ نشین ہی رہے زندگی کے آخری دو سال ان پر "فکرِ معاد" غالب رہی اور چوں کہ مکا شاہ نامی ایک رسول شاہی فقیر کے مرید تھے۔ اس لئے چار ابرو کا صفایا بھی کروا دیا۔

۱۸۲۸ء میں ستر اکہتر سال کی عمر پاکر رحلت فرما گئے۔

خواجہ فرید الدین کو علم ہیئت و ہندسہ سے بڑا شغف تھا وہ ان علوم کے قدیم و جدید دونوں مدارس فکر سے مستفید تھے، سر سید کا بیان ہے، کہ ان فنون میں اُنھوں نے متعدد چھوٹے چھوٹے رسالے ترتیب دیئے تھے مگر وہ سن ستاون کے ہنگامے میں ضائع ہو گئے، بہر حال تین رسالے ان کو پھر حاصل ہو گئے۔

ایک صنعت اصطرلاب کا۔

دوسرا صنعت پرکار متناسبہ کا۔

تیسرا اعمال پرکار متناسبہ کا۔

یہ تینوں رسالے فارسی زبان میں تھے ان میں سے پہلے رسالے کا اصل نام جیسا کہ سر سید نے بھی سیرت فریدیہ ہی میں

---

[1] اس وقت تک پنجاب پر انگریزوں کا تسلط نہیں ہوا تھا۔

Marfat.com

دوسری جگہ اعتراف کیا ہے۔ تحفۂ نعمانیہ تھا اور یہ خواجہ فریدالدین کی تصنیف نہیں ہے، خواجہ فریدالدین نے بھی اسے تحفۂ نعمانیہ ہی کے نام سے کلکتہ میں ۱۸۱۵ء میں نقل کیا تھا مگر بعد میں اسے جوہرۂ فریدیہ کے نام شائع کیا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں خواجہ فریدالدین کے پڑپوتے خواجہ مصلح الدین احمد نے اس رسالے کو شائع کرتے وقت خود اقرار کیا ہے کہ "زمان سابق میں ملا نعمان الدین اصطرلابی کے تلامذہ میں سے کسی نے ایک رسالہ لکھ کر تحفۂ نعمانیہ نام رکھا تھا مگر اس دور میں عدم علم اور قصور طبائع کی وجہ سے وہ رسالہ گویا شریعت منسوخہ اور تقویم پارینہ کی طرح ناکارہ و از کار رفتہ ہو گیا تھا اس لئے بعض طلبہ کی درخواست پر خواجہ فریدالدین نے اس رسالہ کی تجدید بلکہ از سر نو تصنیف کی ہے"

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

(۱) باب اوّل در وضع صفحہ ——— یہ چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

(۲) باب دوم در وضع شبکہ ——— یہ تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

(۳) باب سوم در کیفیت ام ــــ یہ تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

(۴) خاتمہ در اعمال متفرقہ ــــ یہ آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

مزید تفصیل و تعارف کی غرض سے مکمل سرورق کی نقل درج کی جاتی ہے۔

جوہرۂ فریدیہ

تصنیف نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خاں مصلح جنگ وزیر اعظم سلطان ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی۔

خواجہ مصلح الدین احمد ابن نواب خواجہ شرف الدین احمد خاں ابن نواب دبیر الدولہ خواجہ زین العابدین خاں بہادر مصلح جنگ ابن نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خاں مصلح جنگ نے مصلح المطابع واقع دہلی میں طبع کیا۔"

خاتمہ:-

الحمد للہ والمنتہ کہ رسالہ نادرہ مسمیٰ بہ جوہرۂ فریدیہ در صفت اسطرلاب (کذا) در مصلح المطابع دہلی بہ تصحیح تمام و تنقیح

Marfat.com

مالا کلام زیور طبع پوشیدہ نور افزاء نظر ناظرین گردیدہ بسنہ ۱۳۱۵ھ ۱۹۰۰ء"
صفحہ آخر۔

کل صفحات ۴۷ مختصر سائز، قیمت ۲ ر

اس رسالہ کا ایک نسخہ لیاقت نیشنل لائبریری کراچی میں ہے
میں نے وہیں سے استفادہ کیا ہے۔

دوسرے رسالے کا نام "فوائد الافکار فی اعمال الفرجار" ہے،
سرسید نے ۱۸۴۶ء میں اس رسالہ کا فارسی سے اردو میں ترجمہ
بھی کیا تھا۔

Marfat.com

سیرت فریدیہ پر تبصرہ!

سر سید نے اس وقت قلم کاری کی ابتدا کر دی تھی جب کہ ان کے شعور کا سبزہ آغاز تھا اور اس وقت تک قلم ان کی انگلیوں میں گردش کرتا رہا جب تک کہ ان کی کتاب حیات کا آخری ورق نہ الٹ گیا۔

چناں چہ وہ شذرات و مقالات کے علاوہ مستقل کتابوں کی بھی ایک معقول تعداد اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔

سیرت فریدیہ، سر سید کی مستقل تصانیف میں سب سے آخری تصنیف ہے۔

چھوٹے سائز کے ۷۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ میں ۱۸۹۶ء میں طبع ہوئی تھی۔

سر سید نے یہ کتاب جیسا کہ اسی کی ایک عبارت (ص ۳۲) سے ظاہر ہوتا ہے ۱۸۹۳ء میں لکھ ڈالی تھی تقریباً اسی زمانے مولینا حالی حیات جاوید کے لئے مواد فراہم کر رہے تھے۔ جس میں ظاہر ہے کہ سر سید کے اسلاف کے حالات کی ضرورت بھی محسوس ہوئی ہو اور انھوں نے یہ مواد حالی ہی کے لئے فراہم کیا ہو۔ چناں چہ حالی نے لکھا بھی ہے کہ سر سید نے اپنے نانا کے حالات کے سلسلے میں ایک یادداشت لکھوائی

Marfat.com

(حیات جاوید ص۷۱) لیکن مچ میں چوں کہ حالی نے ارادہ ملتوی کر دیا تھا اس لئے سر سید نے اس تحریر کو اپنے ہی نام سے شائع کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

سطور ذیل میں سیرت فریدیہ کا ایک رواں جائزہ لینا مقصود ہے۔ زبان وادب کے نقطۂ نظر سے بھی اور ایک "حیات" کی حیثیت سے بھی۔

سر سید جو سادہ اور آسان نثر لکھنے والوں کے پیش رو کی حیثیت سے شمار کئے جاتے ہیں ہم ان کی آخری تصنیف میں طویل طویل جملے پڑھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

اور تیسرا کام یہ کیا کہ دیوان عام کی چھت جس میں تانبے کی موٹی چادریں بطور چھت گیری لگا کر اس پر پیتل کی ڈنڈیوں و پھولوں سے جن پر سنہری ملمع تھا بطور خاتم بندی کے بنائی گئی تھیں اور جس کو بعہد شاہ عالم ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء کے بھاؤ مرہٹہ نے اکھاڑ ڈالا تھا اور لے جا نہ سکا تھا اور وہ سب اکھڑی پڑی تھیں اور پھر اس کا بنانا بنظر حالات شاہی غیر ممکن تھا اس کا سونا اتروا لیا گیا" ص۲۵

ایسا ہی ایک طویل جملہ ملاحظہ فرمائیے :۔

.... انھوں نے رام موہن رائے کو جو کلکتہ کے ایک بابو اور نہایت لائق اور ذی علم اور متین و با اخلاق تھے اور وہی برہمو سماج کے مذہب کے جواب بنگالیوں میں

Marfat.com

نہایت کثرت سے رائج ہے' پانی ہیں' بلایا" صفحہ ۳۳

فعل اور اسم فاعل، مضاف اور مضاف الیہ میں فصل بعید کس قدر گراں گذرتا ہے۔

زبان کی غلطیاں بھی متعدد پائی جاتی ہیں:

ص۔ پر لنگی کے لئے "تہمت" استعمال کیا ہے، اصل لفظ تہ بند ہے' جو بگڑ کر تہمد ہو گیا ہے، تہمت تو کرخنداروں کی زبان معلوم ہوتی ہے؛ حلوے کے ٹکڑوں کو "لوزت"[1] کہتے ہیں اس کی جمع لوازت ہوئی، سرسید نے اس کی جمع الجمع "لوزائیں" بنائی ہے، کیا دہلی میں اس طرح بولتے ہیں؟

ص۱۳۱ پر لکھتے ہیں:

"ایک کمپنی سپاہیوں کی بطور تعظیم تعینات کی گئی"

فصحا اس جگہ "متعین" لکھتے ہیں اور بولتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے "تعینات" کا استعمال اہل علم کے یہاں نہیں دیکھا گیا تھا۔

پوری کتاب کا انداز بیان عامیانہ اور غیر فصیح ہے، سادگی ایک خوبی ضرور ہے مگر ایسی سادگی جس سے عبارت بے رنگ، پھیکی اور پھُس پھُسی ہو جاتے، محاسن میں نہیں معائب میں داخل ہے۔

"مرض موت میں مبتلا ہو کر مرے" جیسے جملے پڑھ کر انسان کے لئے مسکراہٹ کو دبانا دوبھر ہو جاتا ہے۔

---

[1] اس کو انگریزی میں لوزنج LOZENGE بنالیا ہے۔

Marfat.com

اس کتاب کے اندازِ بیان، زبان، ترتیب وغیرہ کو دیکھ کر ان آلام واسکا کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جن میں سرسید آخری سنین حیات میں مبتلا رہے۔

جب ہم ایک "حیات" کی حیثیت سے اس کتاب پر نظر ڈالتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے، جہاں تک اُردو کا تعلق ہے، اس سے پہلے متعدد کتابیں سیرت و سوانح کی لکھی جا چکی تھیں جن میں حیاتِ سعدی اور المامون وغیرہ خصوصیت سے اہمیت رکھتی ہیں اور سرسید تو حالی اور شبلی دونوں کے مرشد کہے جاتے ہیں مگر ان کی یہ کتاب ہر پہلو سے غیر معیاری ہے، یہ ایک ناقص و نامکمل سوانح ہے۔

فن سیرت نگاری و سوانح نویسی کی روشنی میں دیکھئے تو آپ اسے سرسید کی طرف منسوب کرتے ہوئے تکلف کریں گے۔

پہلے اس کے نقائص کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

(۱) خواجہ فریدالدین کی تعلیم کا بیان اس قدر کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے ۳۵ سال کی عمر میں ریاضی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کے لکھنؤ جانے کا ذکر کر کے اس باب کو ختم کر دیا ہے، اس عمر تک اُنھوں نے کن کن علوم کی تحصیل کی؟ کن کن اساتذہ سے فیض حاصل کیا؟ اس کا کوئی ذکر نہیں، حال آں کہ جس شخص کی سیرت کو ہم دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں ہمارا فرض ہے کہ یہ بھی بتائیں کہ اس نے اپنے وقت کے کن کن اساتذہ سے درس لیا تھا؟ کیا کیا کتابیں پڑھیں تھیں؟ کن کن فنون پر خصوصی توجہ تھی۔

(۲) اسی طرح صاحبِ سیرت کے احباب کا خانہ بالکل خالی ہے کسی شخص

Marfat.com

کے افکار و کردار کے جائزہ میں اس کے روابط و مراسم سے بڑی مدد ملتی ہے اس کے حلقۂ احباب اور دائرہ تعارف سے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ وہ کس معیار کا آدمی تھا؟ معاشرہ میں اس کا کیا مقام تھا؟ کس قسم کے افراد میں اس کی آمد و رفت اور نشست و برخاست تھی؟

(۳) صاحب سوانح کے علمی مقام و مرتبہ کے متعلق کتاب میں ایک حرف نہیں ملتا، یہ کمی بھی بڑی نمایاں کمی ہے، کسی شخص کے سنین ولادت و وفات کا تعین یوں تو بہت خوب ہے مگر بات اسی وقت بنتی ہے جب بتایا جائے کہ ان ان تاریخوں میں آنے اور جانے والے کی یہ حیثیت تھی، اپنے عہد کے علماء میں اس کا یہ مقام تھا۔ فلاں فلاں فنون میں اس کو فضل و کمال حاصل تھا، فلاں فن میں اس کے مخصوصات و مجتہدات یہ اور یہ ہیں، اس نے جو رسالہ تالیف کیا تھا اس میں فن کے فلاں مبحث پر گفتگو کی تھی۔ متقدمین و معاصرین میں سے فلاں اور فلاں سے تعارض کیا تھا اور اس شان سے کیا تھا، اتنی باتیں نئی کہی تھیں اور پھر کوئی انوکھا دعویٰ، کوئی نئی دلیل کوئی کامیاب مثال کوئی جدید تحقیق (اگر ہو تو) مثال میں پیش کی جائے، اس کے معاصرین و متاخرین نے اس کے نظریات کے ساتھ جس طرح بھی تائیداً و تردیداً اعتنا کیا ہو اس کے اقتباسات دیئے جاتیں اس کے بعد کہا جائے کہ یہ تھی وہ خصوصیت جس کی بنا پر ہم نے اس شخص کو اس عہد کی ایک شخصیت قرار دیا ہے اور سیرت نگاری کے لئے اس کا انتخاب کیا ہے، اب اس کے سنین ولادت و وفات کی اہمیت قاری کو محسوس ہوگی اور اسے جستجو ہوگی کہ وہ عالم کس طرح زندگی گذارتا تھا

Marfat.com

اور یہ معلوم کرنے کی دلچسپی ہوگی کہ وہ کیوں کر جیا اور کیوں کر مرا؟ مسز سید نے سیرت نویسی کے اس اہم فریضہ کو نظر انداز کر کے نہ صرف خواجہ فرید الدین کی ذات کو بلکہ سیرت فریدیہ کو بھی غیر اہم بنا دیا ہے۔

(۴) خواجہ فرید الدین کی اہلیہ کے تذکرہ سے دامن بچانے کا خصوصی اہتمام اس کتاب میں پایا جاتا ہے، ابتدا میں یہ بتا کر وہ خواجہ محمد مراد کی لڑکی تھیں، چپ سادھ لی ہے یعنی کہ ان کی وفات تک ذکر نہیں کیا وہ ایک رفیقہ حیات کی حیثیت سے کیسی تھیں، انھوں نے کس منزل عمر تک شوہر کی رفاقت کی ؟ اولاد کی تربیت میں ان کو بھی شرکت کا موقع ملا تھا یا اس وقت سے پہلے ہی چل بسی تھیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو بار بار سامنے آتے ہیں مگر سیرت فریدیہ مہر بلب ہے، کسی شخصیت کے سوانح حیات پڑھتے وقت فطرتاً یہ کرید ہوتی ہے کہ وہ اپنی جیون ساتھی کے باب میں خوش نصیب تھا؟ یا بدنصیب؟ وہ کس قسم کا شوہر تھا؟ بیوی نے کس عمر تک اس کا ساتھ دیا؟ بیوی کی رفاقت میں اس کے سیاسی و علمی کاموں کا کیا رنگ تھا؟ اور بیوی کی جدائی نے اس کے دل و دماغ کو کتنا متاثر کیا تھا؟ اور ان تاثرات نے اس کی خانگی اور شہری زندگی، اس کے زبان و قلم اور فکر و نظر میں کیا انقلاب پیدا کیا؟ —— ان جیسے بہت سے سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور ع

Marfat.com

واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں!

(۵) خواجہ فریدالدین کی اولاد میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں بتائی ہیں:

بڑے بیٹے خواجہ وحیدالدین احمد کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ وہ جنرل داؤد اختر (ڈیوڈ آکٹر) لونی کے ایک مدت تک مصاحب خاص رہے تھے، پھر ان کی اولاد کا کوئی ذکر نہیں اگر وہ لاولد نہیں مرے تھے تو ۱۸۹۶ء تک ان کے پوتے پوتیاں بھی جوان ہو گی جیسے کہ ان کی بہن (والدۂ سرسید کے پوتے (سید محمود) صاحب اولاد ہو چکے تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سرسید کے تعلقات اپنے ناںہال سے خوش گوار نہیں تھے۔ سیرت فریدیہ کے ناقص ہونے کی بھی اصل وجہ یہی ہے کہ اس کی تالیف میں ناںہال کی کوئی اعانت و شرکت نہیں تھی، اور اس میں کسی خانگی دست آویز اور تحریر کا حوالہ اور ذکر نہیں ملتا۔ صد یہ کہ خواجہ فریدالدین کی تصانیف ان کو خلیفہ محمد حسین کے ذریعہ دست یاب ہوئیں، حال آں کہ وہ ان کے ناںہال میں موجود تھیں اور سرسید کی وفات کے فوراً بعد انھوں نے "جوہرۂ فریدیہ" شائع کی۔

اسی طرح دوسرے بیٹے خواجہ زین العابدین کے صرف ایک بیٹے خواجہ ہاشم علی کا صرف نام (وہ بھی ایک دوسرے موقع پر) آگیا ہے، حال آں کہ ان کے دو اور بیٹے بھی تھے۔

بیٹیوں کے ساتھ تو اور بھی ظریفہ معاملہ ہوا۔ بیٹیوں کی تعداد تین بتائی اور

Marfat.com

ان کے نام بھی گنوا دیتے مگر ان میں سے دو کو یک سر نظر انداز کر ڈالا، صرف ایک بیٹی کا ذکرِ خیر کیا اور ایسے والہانہ انداز سے کیا کہ توازن و تناسب کی بھی فکر نہ رہی۔ ۵۷ صفحات کی اس کتاب میں ۱۲ صفحے ان کے لئے وقف کر دیتے۔ ان کی اولاد میں سے بھی اپنے اور اپنی اولاد کے ذکر کو طول دیا ہے اور ایک مقام پر تو ایسی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اپنا ذکر کیا ہے کہ ہنسی آتی ہے، اپنی والدۂ ماجدہ کے فضائل و محامد و مناقب بتفصیل و وضاحت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"اگر لوگ ان باتوں پر غور کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ میری والدہ کیسی عالی خیال اور نیک صفات اور عمدہ اخلاق دانش مند اور دور اندیش فرشتہ صفت بی بی تھیں، اور ایسی ماں کا ایک بیٹے پر جس کی اس نے تربیت کی ہو کیا اثر پڑتا ہے؟"

ان نقائص کے علاوہ بعض اغلاط بھی بطور خاص قابل ذکر ہیں:-

(۱) خواجہ فریدالدین کے لئے لکھا ہے کہ وہ مدرسۂ کلکتہ کے سپرنٹنڈنٹ بمشاہرۂ سات سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ مدرسۂ کلکتہ میں سپرنٹنڈنٹ کا کوئی عہدہ ہی نہیں تھا، خواجہ فریدالدین سپرنٹنڈنٹ کے علاوہ کسی اور عہدہ پر بھی

نہیں رہے پھر مدرسۂ کلکتہ میں کسی بھی منصب کا اتنا کثیر و خطیر معاوضہ اس دور میں نہیں تھا۔

(۲) اکبر شاہ ثانی کی طرف راجہ رام موہن رائے کے بطور سفیر انتخاب و تقرر کو راجہ سکھ رائے وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر شاہ نے جو خط راجہ کو کلکتہ سے بلانے کے لئے لکھا تھا وہ یہ راز افشا کرتا ہے کہ یہ منصوبہ اور یہ انتخاب خواجہ فریدالدین کے تھے۔

لطف یہ ہے کہ اس انتخاب کو دوسروں کے سر تھوپ کر انھوں نے نادانی کا کام" بتایا ہے، بے شک یہ نادانی تھی، مگر یہ نادانی خواجہ فریدالدین نے کی تھی۔

(۳) شاہان دہلی کے لئے انگریز کی طرف سے ماہانہ رقم کے سلسلے میں جانب داری اور تاویل تراشی کی ایک مضحک اور ناکام کوشش کی ہے مضحک یوں کہ حمایت فرنگ کا جو ولولہ اور ہیجان ان میں ۱۸۵۷ء اور اس کے فوراً بعد تھا، ۱۸۹۶ء تک وہ علی حالہا قائم و باقی بلکہ نمو پذیر نظر آتا ہے ناکام یوں کہ حقیقت کا منھ چاہے کوئی کتنی ہی فن کاری سے چڑائے حقیقت حقیقت ہی رہتی ہے، فرنگی نے ۱۷۶۵ء سے ۱۸۵۷ء تک مغل فرماں رواؤں سے بدعہدیاں کیں اور اس کثرت سے کیں۔

کہ جن کو گنتے گنتے دکھ گئی ہیں انگلیاں میری

اگر کوئی مظلوم کے بجائے ظالم کی حمایت کرتا ہے تو وہ ناکام

Marfat.com

ہے اس کی ہر سعی ناکام ہے۔

(۴) ایک غلطی جسے کتابت کی غلطی بھی کہا جاسکتا ہے علامہ تفضل حسین خاں کی تاریخ وفات کے سلسلے میں کی ہے ان کی تاریخ وفات ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۹۹ء لکھی ہے، صحیح ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء ہے۔

مختصر یہ کہ سیرت فریدیہ زبان و ادب کے نقطۂ نظر سے ایک غیر معیاری کتاب ہے اور فنی اعتبار سے مجموعۂ اغلاط و نقائص!

آخر میں ہم اس اعلان کو نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو سرورق کے چوتھے صفحہ پر درج تھا اور علی گڑھ کالج سے سرسید کے تعلق خاطر کو ظاہر کرتا ہے۔

اگرچہ یہ کتاب قلیل الاجزاء ہے مگر اس کی قیمت ایک روپیہ قرار پائی ہے اس لئے کہ جس قدر کتابیں فروخت ہوں گی ان کی قیمت مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڑھ کو دی جاوے گی پس خریدار کو گراں نہ سمجھیں گے بلکہ یہ کہیں گے۔

؎ سفال چند دادم جاں خریدم
تعالیٰ اللہ عجب ارزاں خریدم

Marfat.com

Marfat.com

سیرۃ فریدیہ

یعنی

حالات زندگی

نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خان بہادر مصلح جنگ

وزیر

ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی

مؤلفہ

ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر ایل ایل ڈی کے سی ایس آئی

موروثی خطاب شاہی

جواد الدولہ سیّد احمد خاں بہادر عارف جنگ

Marfat.com

Marfat.com

سیرت فریدیہ

حالات زندگی نواب دبیرالدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خاں بہادر

مصلح جنگ وزیر اکبر شاہ ثانی

خواجہ فریدالدین احمد خاں جن کو اکبر شاہ ثانی کے عہد ثانی کے عہد میں عہدۂ وزارت اور مذکورۂ بالا خطاب ملا تھا۔ حضرت خواجہ یوسف[1] ہمدانی کی اولاد میں ہیں۔ جن کا مزار مرو میں ہے اور شاہ ہمدان کے لقب سے مشہور ہیں۔

ہمدان عراق عجم مملکت ایران کا ایک شہر طہران سے ایک سو ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ شہر نہایت آباد اور تجارت گاہ تھا۔ تیمور نے اس کو تباہ کر دیا۔ معجم البلدان میں اس کا عرض بلد ۳۶ درجہ اور طول بلد مغرب سے ۷۲ درجہ لکھا ہے۔ انگریزی مہندسوں نے اس کا عرض بلد ۳۴ درجہ ۵۰ دقیقہ اور طول شرقی گرینچ سے ۴۸ درجہ ۳۲ دقیقہ قرار دیا ہے۔

---

[1] مفصل حالات ضمیمۂ شخصیات میں ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

خواجہ یوسف ہمدانی

خواجہ یوسف ابن ایوب ابن یوسف الہمدانی اولیائے کبار میں تھے ان کا لقب ابو یعقوب ہے۔ وہ ۴۴۰ھ ہجری مطابق ۱۰۴۸ء میں پیدا ہوئے اور ۵۳۵ھ مطابق ۱۱۴۰ء میں بہ مقام بامن جو مرو کے راستے پر ہے انتقال کیا۔ اول اُن کے جنازہ کو وہیں دفن کر دیا اور پھر مرو میں لے جاکر اس مقبرہ میں جو اُن کے نام سے مشہور ہے۔ دفن کیا۔ پچانوے برس کی عمر ہوئی بغداد میں اُنھوں نے تعلیم پائی ابو اسحاق فقیہ سے علم فقہ پڑھا۔ ان کا مذہب حنفی تھا اور شیخ عبداللہ جوینی کے مرید تھے اور اُن ہی سے خرقۂ خلافت پایا تھا عراق عجم اور اور خوارزم اور خراسان اور ماوراءالنہر میں اُن کی کمال شہرت تھی۔ مرو میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ خواجہ عبداللہ برقی۔ خواجہ حسین انداقی۔ خواجہ احمد یسوی۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی ان کے خلفائے کبار میں سے ہیں۔ (تاریخ یافعی نفحات الانس جامی۔ سفینۃ الاولیا۔ انوار العارفین۔ طبقات الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی)۔

خواجہ یوسف کی اولاد کشمیر میں

اُن کے انتقال بعد اُن کی اولاد مرو سے کشمیر میں جابسی تھی۔ کشمیر میں اور ملکوں سے بھی مسلمان آکر آباد ہوئے۔ مگر وہ کشمیری الاصل نہیں ہیں۔

Marfat.com

بلکہ نزیل کشمیر ہیں۔ کشمیری الاصل وہی ہیں جو وہاں کے اصل باشندے تھے اور مسلمان ہو گئے ہیں۔

کشمیر کے اصل باشندے اپنے گوت کا ایک لقب رکھتے ہیں اور اس کو آل کہتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی کشمیری پنڈت کہلاتے ہیں اپنے نام کے ساتھ اپنا آل لگاتے ہیں۔ ان میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ بھی نسل در نسل اپنی آل کو یاد رکھتے ہیں اور گویا وہ نشانی ان کے کشمیری الاصل ہونے کی ہے۔ جو نزیل مسلمان مدت دراز سے کشمیر میں رہنے لگے ہیں اور وہاں اُن کی پشتیں گزر گئیں وہ بھی کشمیری کہلاتے ہیں۔ مگر اُن کے ساتھ کوئی آل جو کشمیری الاصل ہونے کی علامت ہے نہیں ہوتا۔ خواجہ یوسف ہمدانی کی اولاد اور خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد جو کشمیر میں آباد ہو گئی دراصل اُنھیں کا لقب خواجہ کا تھا۔ مگر ہندوستان میں بہت سے مسلمان کشمیریوں نے بھی جو کشمیر الاصل ہیں یہ لقب اختیار کر لیا ہے۔

ولادت و خاندان

خواجہ فریدالدین احمد ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء کے دلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ اشرف تھا۔ ان کے دادا خواجہ عبدالعزیز کشمیر سے بطریق تجارت دلی میں آئے تھے۔ اور کشمیری مال کی تجارت کرتے تھے اور ریشم کی تجارت کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔ آخر کو اُنھوں نے دلی ہی میں توطن اختیار کر لیا تھا۔

Marfat.com

خواجہ فرید کے سات بھائی

خواجہ اشرف کے آٹھ بیٹے تھے۔ خواجہ فریدالدین۔ خواجہ علاؤالدین خواجہ شہاب الدین۔ خواجہ نورالدین۔ خواجہ محی الدین۔ خواجہ نجیب الدین۔ خواجہ حسام الدین۔ خواجہ کمال الدین۔ ان میں سے جو سب سے بڑے نامی ہوئے اور جن کو ہزاروں آدمیوں نے سجدہ کیا اور معبود اللہ کہا وہ خواجہ نجیب الدین تھے۔ وہ ابتدائی عمر سے رسول شاہی فقیر ہو گئے تھے جو سہروردی خاندان میں ایک نیا فرقہ رسول شاہ جی[1] کے پیروؤں کا پیدا ہو گیا تھا اور مولوی محمد[2] حنیف جو رسول شاہ جی کے جانشین تھے۔ خواجہ نجیب الدین اُن کے چیلے ہو گئے تھے اور ان کے پیر نے فدا حسین[3] ان کا نام رکھ دیا تھا۔ شاہ فدا حسین نے تمام علمی کتابیں اپنے پیر سے پڑھیں اور جب تحصیل پوری ہو گئی تو اپنے مرشد کے حکم سے کل کتابیں کنوئیں میں ڈال دیں۔ اُن کا مشرب اور عمل وحدت وجود پر

---

[1] مفصل حالات ضمیمہ شخصیات میں ملاحظہ ہوں۔

[2] " " " " " ۔

[3] ۱۸ برس کی عمر میں تحصیل علم سے فراغت حاصل کی تھی، بیس برس تک اپنے مرشد کے پاس الور ہی میں رہے، مرشد کی وفات کے بعد دہلی آ گئے اور یہاں چالیس برس رہے پھر الور کے مہاراجہ نے بلا لیا۔ چنانچہ الور ہی میں ۱۲۵۹ھ ۱۸۴۲ء میں رحلت کی ص۲۱ تذکرہ اہل دہلی۔

Marfat.com

تھا اور وضع یہ تھی کہ ڈاڑھی مونچھ کا صفایا۔ ایک لنگوٹی باندھے۔ اور سارے بدن پر کوبلے کی راکھ لے ہوئے جو بھبوت کہلاتی تھی بیٹھے رہتے تھے۔ اگر حجرہ سے باہر نکلتے تو ایک تہمت[1] گھٹنوں تک لپیٹ لیتے تھے اور سر پر ایک مثلث رومال باندھ لیتے تھے۔ اُنھوں نے اٹھارھویں محرم روز پنجشنبہ ۱۲۵۹ہجری مطابق ۱۸۴۳ء میں انتقال کیا۔ اُن کا مزار الور میں رسول شاہیوں کے تکیہ میں ہے جو چمیلی باغ کہلاتا ہے۔

شاہ فدا حسین بہت مستند عالم تھے اور کبھی کبھی کسی کو فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ اور دیگر تصنیفات حضرت محی الدین ابن عربی اور دیگر اہل وحدت وجود کی نہایت عمدگی اور خوبی سے پڑھاتے تھے۔

خواجہ علاء الدین[2] صاحب نے بھی مثل بزرگانِ دین کے درویشی اختیار کی تھی اور طریقہ علیا نقشبندیہ میں شاہ محمد آفاق صاحب[3] کے مرید اور خلیفہ تھے اور حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ ادا کی تھی۔

اگرچہ اُنھوں نے تاہل کیا تھا مگر تمام عمر گوشہ نشینی اور ذکر و افکار و زہد و مجاہدہ میں گذرانی اور ۲۰ جمادی الاوّل روز یک شنبہ ۱۲۷۲ہجری مطابق ۱۸۵۵ء کے اُنھوں نے انتقال کیا۔ اُن کے تین بیٹے تھے خواجہ

---

[1] یہ لفظ تہمت نہیں تہ بند ہے جو کثرت استدلال سے

[2] مزید حالات شخصیات میں ملاحظہ ہوں۔

[3] „ „ „ „ „ ۔

Marfat.com

ضیاء الدین صاحب جو ایک مشہور واعظ تھے اور خواجہ کمال الدین صاحب ان دونوں صاحبوں نے انتقال کیا مگر ان کے بڑے بیٹے حکیم خواجہ بہاء الدین صاحب جاورہ میں موجود اور اس وقت تک زندہ ہیں۔

خواجہ حسام الدین نے اپنی جوانی میں دریائے چنبل میں ڈوب کر اور خواجہ کمال الدین نے عالم شباب میں مرضِ موت میں مبتلا ہو کر انتقال کیا تھا۔

خواجہ شہاب الدین عربی نسخ خط لکھنے کے استاد تھے اور انگریزی عمل داری میں کسی محکمہ میں ناظر ہو گئے تھے۔

خواجہ محی الدین کو سرکار بادشاہی میں تعلق ہو گیا تھا اور خواصان شاہی کے سرخیل ہو گئے تھے۔

خواجہ نور الدین کو چند روز تک دربار سیندھیہ میں فوج سواروں میں کوئی عہدہ افسری کا مل گیا تھا۔

خواجہ فرید لکھنؤ میں

مگر خواجہ فرید الدین احمد بہت زیادہ اقبال مند ہونے والے تھے۔ ان کو ابتدائے عمر سے تحصیل علم کا بہت شوق تھا اور علوم ریاضیہ سے ان کو طبعی مناسبت تھی وہ علم کی تحصیل کی طرف متوجہ تھے۔ دلی میں انھوں نے درسی کتابوں کو تمام کیا۔ دلی میں کوئی شخص علوم ریاضیہ[1] میں زیادہ مشہور نہ تھا۔

(۱ کا فٹ نوٹ صفحہ ۸۱ پر دیکھئے)

Marfat.com

علامہ تفضل حسین خاں

مگر علامہ تفضل حسین خاں[1] لکھنوی تمام علوم میں اور خصوصاً علوم ریاضیہ میں نہایت مشہور تھے اور لوگوں نے علامہ کا لقب ان کو دیا تھا۔ خواجہ فرید الدین احمد علوم ریاضیہ کی تحصیل اور تکمیل کے لئے لکھنؤ گئے اور انتہا درجہ تحصیل کی جو کتابیں علوم ریاضیہ کی ہیں اُن سے پڑھیں اور دو تین سال وہاں رہ کر دلی واپس آئے۔

یہ زمانہ نواب آصف الدولہ کا تھا۔ کیوں کہ نواب آصف الدولہ ۲۵۔ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء کے مسند نشین ہوئے تھے اور ۱۱۹۵ھ ہجری مطابق ۱۷۸۰ء کے اُنھوں نے لکھنؤ کو دارالریاست قرار دے لیا تھا۔ نواب آصف الدولہ کا انتقال ۲۸ ربیع الاوّل ۱۲۱۲ھ ہجری مطابق ماہ ستمبر ۱۷۹۷ء کے ہوا۔ نواب آصف الدولہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۷۹ نمبر ۱ کا)

[1] یہ حضرت دہلی پر بہت بڑا اتہام ہے۔ آخر علامہ تفضل حسین خاں نے بھی تو دہلی ہی میں تحصیل کی تھی پھر اسی دور میں علامہ فضل امام خیر آبادی ف ۱۸۲۹ء شاہ ولی اللہ ف ۱۷۶۲ء اور ان کے صاحبزادگان کرام شاہ عبد العزیز ف ۱۸۲۴ء شاہ عبد القادر ف ۱۸۱۴ء شاہ رفیع الدین ف ۱۸۱۷ء وغیرہ بکثرت ریاضیات کے فاضل و ماہر علماء موجود تھے۔

(حاشیہ فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

[2] مزید حالات شخصیات میں ملاحظہ ہوں ...

Marfat.com

کے انتقال کے بعد ۲۰ شعبان ۱۲۱۲ھ ہجری مطابق یکم جنوری ۱۷۹۸ء نواب سعادت علی خاں مسند نشین ہوئے۔

علامہ تفضل حسین خاں پہلے جنرل پامر کے پاس منشی تھے پھر ان کی سفارش سے نواب آصف الدولہ نے ان کو اپنا سفیر کر کے کلکتہ بھیجا تھا اور جب وہ لکھنؤ میں آئے تو عہدۂ نیابت بھی ان کو مل گیا تھا۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد میں علامہ تفضل حسین خاں دوبارہ عہدہ سفارت کے امیدوار ہو کر کلکتہ گئے مگر نواب سعادت علی خاں نے سند سفارت ان کے پاس بھیجی۔ اس لئے وہ کلکتہ سے واپس ہوئے اور اثنائے راہ میں بہ مقام ہزاری باغ ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۷۹۹ء [1] کے انھوں نے انتقال کیا۔

خواجہ فرید کی شادی

دلی میں ایک اور کشمیری خاندان خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد میں کشمیر سے آکر آباد ہوا [1] تھا۔ خواجہ فریدالدین احمد کی شادی غالباً ۱۱۹۲ھ مطابق ۱۷۷۹ء میں خواجہ محمد مراد احراری کی بیٹی سے ہوئی۔ بادشاہان دلی کے عہد میں چار معزز عہدے تھے۔ ایک [1] ملک العلماء کا۔ جس قدر علماء بادشاہ کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ اور ان کو جو انعام و اکرام یا جاگیر و منصب ملتا تھا وہ سب ملک العلماء کے ذریعہ سے ملتا تھا۔ دوسرا [2] ملک الحکماء کا۔ جو شخص یہ عہدہ رکھتا تھا اسی کے ذریعہ سے تمام طبیب دربار شاہی میں پیش ہوتے تھے۔ تیسرا [3] ملک الشعراء کا۔ اس عہدہ دار کے ذریعہ سے تمام شعراء

---

[1] ۱۸ شوال ۱۲۱۵ھ ہجری ۱۷۹۹ء کے مطابق نہیں بلکہ ۱۸۰۱ء کے مطابق ہے۔

Marfat.com

بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوسکتے تھے۔ چوتھا ایک عہدہ تھا جس کی وساطت سے درویش اور مشائخ بادشاہ کے پاس جاسکتے تھے اور وظائف اور ادرارا وسی کے ذریعہ سے ان کو دیے جاتے تھے۔ اور تمام درگاہوں کا سالانہ خرچ اور درگاہوں کے عرس اور فاتحہ وغیرہ کے اخراجات اُسی کے ذریعہ سے ہوتے تھے۔ اس عہدہ کا نام ملک الاولیا تو نہیں قرار پاسکتا تھا اس لئے اس عہدہ کا نام نقیب الاولیاء قرار دیا گیا تھا۔ خواجہ محمد مراد احراری اسی عہدہ پر مامور تھے جو ایک نہایت بزرگ اور عالی رتبہ تھے۔

خواجہ فریدالدین احمد کی ایک ہی بیوی تھیں اور اُن سے پانچ اولادیں پیدا ہوئی تھیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں۔ اور یہ اولادیں تین۔ تین برس کے فاصلہ سے غالباً ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء کے پیدا ہو چکی تھیں۔

پھر لکھنؤ کی طرف

۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء کے خواجہ فریدالدین احمد پھر لکھنؤ گئے۔ یہ زمانہ بھی نواب آصف الدولہ کا تھا۔ مگر چند روز بعد ہی نواب آصف الدولہ کا انتقال ہوگیا۔ اور نواب سعادت علی خاں مسند نشین ہوئے۔ اس دفعہ کے سفر لکھنؤ میں جو نہایت دلچسپ امر پیش آیا وہ خود خواجہ فریدالدین احمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ان کے رسالہ[1] مسمیٰ فوائد الافکار فی اعمال الفرجار، کے دیباچہ میں ہمارے پاس موجود ہے جس کو ہم

---

[1] اس رسالہ کا ترجمہ اُردو سرسید نے ۱۸۴۶ء میں کیا تھا، حیات جاوید۔

Marfat.com

بعینہ نقل کرتے ہیں۔

فوائد الافکار کا دیباچہ

وہ لکھتے ہیں کہ "چنیں گوید مؤلف
این رسالہ فرید الدین احمد کہ چوں
فقیر را از ایام طفولیت شوق بود بہ علم
ریاضی و در حال تحصیل چیزی ازیں
نمودہ و اکثر بمطالعۂ کتب ریاضی
می پرداخت در بعضے حواشی بہ نظر
آمدہ کہ پرکار متناسبہ از جملہ آلات ریاضی
بود کہ ازاں اکثر اعمال نجومی و بعضے
اشکال ہندسی و مسائل حسابی
بآسانی استخراج می شد حالا علم و عمل
آں بہ سبب نایابی آں آلہ مفقود است
و نیز زبانی بعضے اوستادان خود ہمیں شنیدہ
بودم پس ازاں اشتیاق آں بدل داشتم
و از ہر کس ریاضی داں کہ تذکرہ آں می کردم
می گفت کہ ما ندیدہ ایم و نہ شنیدہ ایم
اغلب باشد پرکار ہمیں است کہ برائے عم

اس رسالہ کا مؤلف فرید الدین احمد
کہتا ہے کہ چوں کہ مجھے لڑکپن سے
علم ریاضی کا شوق تھا اور طلب علم
کے زمانے میں اس علم کو کسی قدر
حاصل کیا تھا اور اکثر ریاضی کی
کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ کسی
کتاب کے حاشیے میں نظر سے
گزرا تھا۔ آلات ریاضی میں سے ایک
پرکار متناسبہ بھی ہے کہ اس سے اکثر اعمال
نجومی اور بعض اشکال ہندسی اور مسائل
حسابی مستخرج ہو سکتے ہیں مگر آج کل
اس آلہ کی نایابی کی وجہ سے اس کا
علم و عمل مفقود ہو گیا ہے اور یہ بات
اپنے بعض استادوں کی زبانی بھی سن
چکا تھا اس لئے اس آلہ کو دیکھنے کا
شوق تھا اور ریاضی داں اس کا ذکر

Marfat.com

دائرہ و پیمائش خطوط بکار می آید۔ دیگر
قسم پرکار نیست۔ بعد آں کہ در ۱۲۱۲ھ
ایں فقیر در لکھنو وارد شدہ و از جنرل مارٹین
و مسٹر گوراوزلی کہ حکیم مشرب بود ملاقات شد
نزد اوشاں یک آلہ عجیب و غریب دیدم از
برنج و آہن مرکب بود و دو پرہ نوک دار
برہم نہادہ بود در کمر آں میخ مثل مقراض
بند کردہ مگر میخ ایں آلہ از جائے خود حرکت
می کرد تا آں را از جا حرکت دادہ دور و
نزدیک از سر آں بدارند بر ہر دو سطح
آں خطوط چند بود چوں گاہے ایں قسم چیز
نہ دیدہ بودم استفسار کردم گفتند کہ
کہ نام ایں و زبان انگریزی بمعنی پرکار
تقسیم است و ازیں آلہ تقسیم خطوط و
دوائر و سطوح و اجسام مختلفہ بآسانی
می شود چوں آں آلہ از جنرل مارٹین بود
از اوشاں عاریت گرفتم و دانستم کہ پرکار
متناسبہ ہمیں باشد چوں ہر چہار عمل کہ
دراں موضوع بود مسٹر اوزلی رد بردے

کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ ہم نے تو یہ آلہ
دیکھا نہ سنا اس لئے پرکار تو بس یہی ہے
جو دائرہ کھینچے اور خطوط کی پیمائش کے
لئے کام آتی ہے، اس کے علاوہ اور
کسی قسم کی پرکار نہیں ہو سکتی"۔۔۔ پھر
۱۲۱۲ھ (۱۷۹۸-۷ء) میں لکھنو
آیا اور جنرل مارٹین اور مسٹر گوراوزلی
(جو حکیم مشرب تھے) سے ملاقات
ہوئی ان کے پاس ایک عجیب و
غریب آلہ دیکھا جو لوہے اور پیتل کا
بنا ہوا تھا اور دو نوک دار حصے الگ
الگ تھے اور اس کی کمر میں اس طرح
میخ ٹھکی ہوئی تھی جس طرح قینچی میں
ہوتی ہے مگر (فرق یہ تھا کہ) اس
آلہ کی میخ اپنی جگہ سے حرکت کرتی
تھی (اس میں پیچ تھا) تاکہ اس پیچ
کو گھما کر ان دونوں حصوں کو دور و
نزدیک کر سکیں، اور اس کی
دونوں سطحوں پر چند خطوط بھی

Marfat.com

من کرده بود سکان خود آورده اعمال آں
کردم وبسیار فکر کردم که چیزے از
اعمال نجومی از استخراج شود، ہیچ نہ شد
دانستم کہ ایں پرکار متناسبہ نیست گر چند
روز محنت کردہ بدلائل اصول طور صنعت
آں مستنبط کردم و مانند آں یک پرکار
نقرہ تیار کردم مسٹر اوزلی از من گرفتہ
بہ نواب وزیر سعادت علی خاں بہادر
گزرانید واز دیدن ایں پرکار بسیار
متعجب شدہ گفت کہ اکثر مردم از
اعمال ایں پرکار آشنا نیستند چہ جائے
صنعت آں کہ دریں جا کسے نمی داند و
در ولایت ہم ہر کس از صنعت ایں آگاہ
نیست و من ایں قدر می دانم کہ یک آلہ
در گنج پرکار ہا می باشد باستعانت آں
ایں پرکار درست می کنند مگر وضع در
ست کردن آں نمی دانم شما بدون آں چہ طور
ساختید چوں ایں جانب گاہے گنج پرکار ہا
نہ دیدہ بود مشتاق دیدن آں شدم

تھے، میں نے کبھی اس قسم کا آلہ نہیں دیکھا
تھا اس لیے دریافت کرنے لگے: انگریزی
میں اس کے لئے "پرکار تقسیم" کا ہم معنی
لفظ مستعمل ہے اور اس آلہ سے خطوط،
دوائر، سطوح اور اجسام مختلفہ کی تقسیم
بآسانی کی جا سکتی ہے، چونکہ وہ آلہ جنرل
مارٹین کا تھا اس لئے میں نے ان سے
عاریتاً حاصل کیا اور خیال کیا کہ پرکار متناسبہ
یہی ہے، مسٹر اوزلی نے چوں کے اس کے
چاروں عمل (جو اس سے کئے جاتے ہیں)
میرے سامنے کئے تھے، اپنے گھر لا کر میں نے
بھی وہی اعمال کئے اور بہت سوچا کہ
اعمال نجومی میں سے کوئی عمل اس سے
مستخرج کر سکوں مگر نہ ہوا، سوچا کہ یہ
پرکار متناسبہ یہی ہے مگر چند روز محنت
کر کے اصول کی روشنی میں اس آلہ کے
بنانے کا طریقہ دریافت کر لیا اور بالکل
ایک چاندی کا پرکار بنایا مسٹر اوزلی نے
وہ چاندی کا پرکار مجھ سے نواب وزیر

Marfat.com

از شان گنج پرکار ہا از صندوقچہ خود برآوردہ
بمن ملاحظہ کنانید ندو چون بران آلہ
خطوط و رقوم بسیار دیدم واز ایشان
استفسار حال آن نمودم گفتند کہ عمل
دو سہ خطی دانم۔ چنانچہ روبروے
بندہ عمل تقسیم خط واستخراج و ترتیب
کردہ گفتند کہ من ہمیں قدر می دانم لیکن
شنیدہ ام کہ ازیں آلہ اعمال بسیار از قسم
دریافت ظل و قطر آن و خطوط متناہیہ اکثر
اعمال نجوم می شود مگر من نمی دانم بلکہ اکثر
صاحبان انگریز ہم نمی دانند الا مہندسان
دانستم کہ پرکار متناسبہ ہمیں باشد و چون
آن گنج بسیار عمدہ و تحفہ بود نخواستم کہ
آن را بعاریت بگیرم اگرچہ دلم بسیار
آرزومند شد بعد آن چند پرکار تقسیم برنجی
مرتب کردہ رقوم آن بجاے انگریزی
فارسی کندہ کردم و باشایان خود دادم
بعد چندے وارد کلکتہ شدم و یک گنج
پرکار ہا خرید نمودم کہ دران آلہ مذکور

سعادت علی خاں کو دکھایا، مسٹر اوزلی
میری پرکار دیکھ کر بہت حیران ہوئے
اور کہنے لگے اکثر آدمی تو اس پرکار سے
کام لینا بھی نہیں جانتے چہ جائے کہ اس کا بنانا
یہ کام تو یہاں کوئی بھی نہیں جانتا اور ولایت
میں بھی ہر شخص اس کو نہیں بنا سکتا، میں خود
صرف اتنا جانتا ہوں کہ پرکاروں کے خزانے
(ڈبے) انڈر بکس میں ایک آلہ ہوتا
ہے اس کی مدد سے اس پرکار کو صرف درست
کیا جاتا ہے مگر کس طرح درست کیا جاتا ہے
یہ نہیں جانتا تم نے اس آلہ کے بغیر یہ پرکار
کیسے بنالی؟ میں نے چونکہ کبھی پرکاروں کا خزانہ
نہیں دیکھا تھا اس لئے اس کے دیکھنے کا شوق
ظاہر کیا انھوں نے اپنے صندوقچے سے وہ خزانہ
منگا کر مجھے دکھایا (میں نے دیکھا کہ) اس آلہ پر
بہت سے خطوط اور ہندسے بنے ہوئے تھے
مسٹر اوزلی سے ان کے متعلق دریافت کیا تو
بولے کہ میں دو تین خطوں کا عمل جانتا ہوں
چنانچہ میرے سامنے تقسیم خط اور استخراج

Marfat.com

ہم بود پس درپے دریافت اعمال آن شدم
و فکر و سعی بسیار نمودہ و عمل استخراج
ظل و قطر ظل و اکثر اعمال نجومی و ہندسی
استنباط کردم چنانکہ مسودات بسیار شدند
پس یقین شد کہ پرکار تناسبہ ہمیں است
کہ سابق در عرب و عجم مروج باشد و
حالا این کسے نمی داند و مختص در صاحبان
انگریز و فرانس مروج ست۔ پس آن
مسودات اعمال را بطور قیاس خود مرتب
نمودہ صاف کنانیدم و برائے یادگار و
فائدۂ شائقان این علم رسالہ درست
نمودم و نام این رسالہ فوائد الافکار
فی اعمال الفرجار نہادم، انتہی۔

وجیب کر کے کہنے لگے ہیں بس اتنا ہی جانتا
ہوں، لیکن سنا ہے کہ اس آلہ سے بہت اعمال
(مثلاً سایے اور اس کے قطر کا دریافت کرنا)
اور اکثر اعمال نجوم کئے جاتے ہیں مگر میں نہیں
جانتا بلکہ اکثر انگریز نہیں جانتے، البتہ ہندسی
جانتے ہیں، اب میں نے خیال کیا کہ پرکار
تناسبہ یہی ہے اور وہ خانہ (BOX)
چونکہ بہت عمدہ اور قیمتی تھا اس لئے اگرچہ
دل بہت تڑپتا تھا مگر میں نے ان سے وہ
عاریتاً نہیں مانگا اس کے بعد پنسل کے چند
پرکار تقسیم بنا کر ان پر انگریزی کے بجائے
فارسی میں ہندسے لکھے اور اپنے ملنے
والوں کو تقسیم کئے اس کے چند دن بعد
کلکتہ پہنچا تو ایک پرکار خانہ خریدا اس میں وہ

آلہ بھی تھا اور اب میں اس کے اعمال دریافت کرنے کے درپے ہوا اور بہت فکر و سعی کے بعد
عمل استخراج ظل و قطر ظل اور اکثر اعمال نجومی و ہندسی مستنبط کئے یہاں بہت سے مسودات تیار
ہوئے۔ اب یقین ہو گیا کہ پرکار تناسبہ یہی ہے جو پہلے عرب و عجم میں رائج تھی اور اب کوئی نہیں جانتا
اور اس کا علم فرانس اور انگلستان والوں کے ساتھ مختص ہے، بہر حال ان مسودات کو اپنے ہی
قیاس سے مرتب کر کے صاف کیا اور اس علم کے شائقوں کے لئے ایک رسالہ ترتیب دیا اور

Marfat.com

اس رسالہ کا نام "فوائد الاذکار فی اعمال الفرجار" رکھا۔ (مرتب)

مدرسۂ کلکتہ کی ملازمت

اس زمانہ میں مدرسہ کلکتہ[1] میں جس کو حکام انگریزی نے قائم کیا تھا ایک سپرنٹنڈنٹ مقرر کرنے کی ضرورت تھی جس کی تنخواہ سات سو روپیہ تھی۔ لکھنؤ میں جو حکام انگریزی تھے۔ اُنھوں نے خواجہ فرید الدین احمد کی سفارش اُس عہدہ کے لئے کی اور اس پر ان کا تقرر ہو گیا۔ اور وہ اسی سنہ میں یا اس کے تھوڑے زمانہ بعد کلکتہ میں پہنچے جیسا کہ خود اُنھوں نے اپنی اس کتاب کے دیباچہ میں بعد ذکر حالات لکھنؤ لکھا ہے کہ "بعد چندے وارد کلکتہ شدم" اُس زمانہ میں مارکوئیس آف ولزلی گورنر جنرل تھے۔ خواجہ فرید الدین احمد نے کلکتہ میں پہنچ کر اپنے عہدہ کا چارج لیا اور اپنا کام کرتے رہے۔

---

[1] مدرسۂ کلکتہ، مدرسہ عالیہ کو کہا جاتا ہے جو ۱۷۸۰ء میں کمپنی نے قائم کیا تھا، اس مدرسہ کی ایک مفصل اور مستند تاریخ، اسی مدرسہ کے مدرس مولوی عبد الستار صاحب نے لکھی ہے۔ اس تاریخ کی رو سے نہ صرف یہ کہ اُس وقت (۱۷۹۷ء میں) بلکہ کسی زمانے اس مدرسہ میں سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ نہیں تھا اور خواجہ فرید الدین نام کے کوئی بزرگ کسی اور عہدہ پر بھی نظر نہیں آتے۔

Marfat.com

زمان شاہ کا عزم پشاور

اس زمانہ میں دلی میں شاہ عالم بادشاہ تھا اور ایران میں فتح علی شاہ اور مشہور ہو رہا تھا کہ زماں شاہ کابلی نے ہندوستان پر حملہ کرنے اور اس کے فتح کرنے کا ارادہ مصمم کر لیا ہے اور اس کے فرمان بھی راجگان پنجاب کے نام اس مضمون کے آ گئے تھے کہ برسات کے بعد دہلی پر جو تختگاہ سلاطین تیموریہ ہے یورش کروں گا اور سرکار انگریزی اس فکر میں تھی کہ کسی طرح زماں شاہ کا ہندوستان پر یورش کرنا روکا جاوے۔

لہ احمد شاہ ابدالی کا پوتا زمان شاہ شروع ہی سے فتح ہند کا عزم رکھتا تھا، اور کمپنی کے لئے اس کا یہ عزم درد جگر بنا ہوا تھا، زماں شاہ کے خطرے کا ازالہ کرنے کے لئے کمپنی نے متعدد تدابیر اختیار کیں ان میں سے ایک شاہ ایران سے کمپنی کا معاہدہ تھا! اسی معاہدہ کے نتیجہ میں جونہی زماں شاہ، پشاور کی طرف بڑھا فتح علی شاہ کا مقصد پورا ہو گیا تھا اس لئے اس نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں زماں شاہ دوبارہ عازم ہند ہوا تو کمپنی نے دوسری تدبیر اختیار کی کہ زماں شاہ کے بھائی محمود وغیرہ نے جو ایران میں پناہ گزیں تھے۔ افغانستان کا رخ کیا، زماں شاہ پھر پشاور سے کابل لوٹا دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی اور زماں شاہ گرفتار ہوا، محمود شاہ تخت نشین ہوا۔

اس طرح کمپنی نے اپنے قوی حریف و رقیب کو راستے سے ہٹا دیا اور افغانستان کو مستقل خانہ جنگی کا مرکز بنا دیا۔

Marfat.com

انگریزوں کا شاہِ ایران سے معاہدہ

اُس زمانہ میں انگریزوں کی طرف سے مسٹر مینسٹی بوشہر میں بطور سفیر کے متعین تھے اور سر ہر فرڈ جیس بارونٹ بغداد میں اور مرزا مہدی علی خاں بہادر حشمت جنگ گورنر بمبئی کی طرف سے دربار ایران میں سفیر مقرر ہوئے تھے وہ بوشہر میں آئے اور حاجی محمد خلیل خاں کے ذریعہ سے فتح علی شاہ بادشاہِ ایران اور وزرائے ایران سے اس امر میں خط وکتابت جاری کی اور زمان شاہ کے بھائیوں محمود شاہ و فیروز شاہ کو افغانستان پر حملہ کرنے کو آمادہ کیا۔ اس خبر کے سُنتے ہی زمان شاہ اطراف پشاور سے ہرات کو چلا گیا اور ہندوستان پر حملہ کرنا ملتوی ہوگیا۔ اور کپتان مالکم سے جو بطور سفارت ایران پہنچ گئے تھے اور فتح علی شاہ سے رمضان ۱۲۱۵ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۸۰۱ء کے ایک عہد نامہ تحریر ہوکر حاجی ابراہیم خاں وزیر اعظم شاہ ایران اور کپتان مالکم صاحب کے دستخط سے مکمل ہوا۔ اور جب کپتان جان مالکم دربار ایران سے واپس آئے تو فتح علی شاہ نے حاجی محمد خلیل خاں کو سفیر مقرر کرکے بمبئی کو روانہ کیا۔

بمبئی میں سفیر ایران کا قتل

حاجی محمد خلیل خاں ۲۲ مئی ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۷ھ کے بمبئی پہنچے۔ نہایت تعظیم وتکریم سے انگریزوں کی جانب سے استقبال ہوا اور جس مکان میں ٹھہرائے گئے وہاں ایک کمپنی سپاہیوں کی بطور اظہار تعظیم تعینات کی گئی۔

Marfat.com

اتفاقاً ایک دن حاجی محمد خلیل خاں کے ساتھیوں اور کمپنی متعینہ کے سپاہیوں میں کسی امر میں تکرار ہوئی اور ہتھیاروں تک نوبت پہنچی۔ حاجی محمد خلیل خاں اُس جھگڑے کے رفع دفع کرنے کو اندر سے باہر نکلے اور اتفاقیہ ایک گولی اُن کے لگی اور وہ مارے گئے۔ یہ واقعہ ۲۰ر جولائی ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۷ھ ہجری کے واقع ہوا۔

ولزلی کی سفیر کے ورثا سے تعزیت

مارکوئیس آف ولزلی گورنر جنرل نے اس اتفاقیہ حادثہ پر بہت رنج اور افسوس ظاہر کیا۔ اور میجر مالکم اور مسٹر پوٹ کو جو کلکتہ میں تھے واسطے تشفی و دلدہی پس ماندگان حاجی محمد خلیل خاں کے بمبئی کو روانہ کیا۔ چنانچہ وہ ۳ر اگست ۱۸۰۲ء کو کلکتہ سے روانہ ہوئے۔ مسٹر پوٹ راہ میں بیمار ہو گئے اور میجر مالکم ۱۹ر ستمبر کو مچھلی بندر میں اور از راہ خشکی حیدر آباد دکن ہو کر ۱ر اکتوبر کو بمبئی پہنچے اور پس ماندگان حاجی محمد خلیل خاں کو بخوبی تسلی و تشفی کی اور نومبر ۱۸۰۲ء کو کلکتہ واپس چلے گئے۔ علاوہ اس کے مارکوئیس آف ولزلی نے ایک تعزیت نامہ مسٹر مینسٹی کے ہاتھ جو بصرہ میں بطور سفیر مقرر تھے۔ فتح علی شاہ کے پاس بھیجا اور فتح علی شاہ ایران نے بھی اس واقعہ کا اتفاقیہ واقع ہونا تسلیم کیا۔

حشمت جنگ سفیر انگریزی کا تنزل

اس زمانہ میں نواب مہدی علی خاں حشمت جنگ سرکار انگریزی کی طرف سے بوشہر میں سفیر تھے۔ مگر سرکار انگریزی نے کسی سبب سے ان کو اس عہدہ سے

Marfat.com

علحدہ کرکے واپس بُلا لیا۔

چنانچہ تاریخ سفارت حاجی خلیل خاں و محمد نبی خاں میں جو ۱۸۸۶ء میں بمبئی میں چھپی ہے بصفحہ ۱۶ و ۱۷ یہ فقرہ لکھا ہے۔

"و قونسل گری بندر ابوشہر دریا
آدان بہ نواب مرزا مہدی علی خاں
حشمت جنگ بہادر حوالہ و چوں او
می خواست کہ بدولت خود حسن خدمتی
نماید و می خواست کہ مسئولیت و بار
تہمت مہمان کشی را از دوش دولت
انگلیس بردارد دل ہذا بعقل ناقص خود
تدبیرے اندیشید و از واقعۂ قتل
حاجی خلیل خاں خبرہای دروغ
بولایات اطراف انتشار می داد و ایں
بطریقے کہ مسئولیت آں بہ خود آں مرحوم
عاید می گردید و حالاں کہ ہیچ حاجتے
بہ انتشار آں نوع خبرہائے دروغ
نماندہ بود و حادثۂ مذکور امردم
ایران بہ نظر تعجب ملاحظہ می کردند
کہ آیا دریں کار چرا دولت انگلیس ایں

اس زمانے میں بندر بوشہر کی
سفارت نواب مرزا مہدی علی خاں حشمت
جنگ سے متعلق کی گئی اور چوں کہ وہ
چاہتے تھے کہ حسن خدمت کا مظاہرہ
کریں اور انگریزوں کے دامن سے
مہمان کشی اور مسئولیت کا داغ دھو
ڈالیں اس لئے اپنے دماغ سے
ایک تدبیر سوچی اور خلیل خاں کے
واقعۂ قتل کے متعلق جھوٹی خبریں مشہور
قرب و جوار کے ممالک میں مشہور کرنے
لگے، اور اس طرح کہ اس (حادثۂ قتل)
کی ذمہ داری خود آں مرحوم (خلیل خاں)
پر عائد ہوتی تھی حال آں کہ اب ان
جھوٹی خبروں کے پھیلانے کی
کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اور
ایران کے لوگ اس حادثہ کو حیرت سے

Marfat.com

همه اصرار می کند و بجائے این همه
مصارف گزاف هرگاه یک سفیرے
دیگر بدربار ایران فرستاده بود هرآئینه
ازین بدنامی ها بیرون می آمد و رضایت
نامه دربار ایران را حاصل می نمود
جماعت انگلیسیه بدین سبب نواب
ممدوح را مقصر نموده از بوشهر عزلش
نمودند و مواجب دادند۔

دیکھتے تھے کہ آخر انگریزی حکومت کیوں
اتنا اصرار کر رہی ہے اور ان فضول
اخراجات کے بجائے جب دوسرا سفیر
دربار ایران میں بھیج دیا ہے تو بے شبہ اس
بدنامی سے محفوظ ہو گئی ہے اور دربار
ایران کا رضایت نامہ حاصل کر چکی ہے۔
اس لئے انگریزوں نے نواب ممدوح
کو ناکام تصور کر کے بوشہر کی سفارت
سے معزول کر دیا۔ (مرتب)

ایران میں مالکم کی سفارت

ان واقعات کے بعد گورنر جنرل مارکوئیس آف ولزلی نے ایک خط معذرت کا بنام شاہ ایران اور ایک سفارت کا دربار ایران میں جس کا صدر مقام بوشہر میں رہتا تھا بھیجنا تجویز کیا اور مسٹر لوٹ جو بمبئی میں تھے خط معذرت لے جانے کو تجویز ہوئے اور میجر مالکم کے پاس بمبئی میں وہ خط بھیجا گیا کہ مسٹر لوٹ کے ہاتھ روانہ کیا جائے۔ مگر وہ بہ سبب بیماری کے نہ جا سکے اور میجر مالکم نے جو اس وقت بمبئی میں تھے بذریعہ اپنی چٹھی بنام چراغ علی خاں لکھا کہ مسٹر لوٹ کے بیمار ہو جانے کی وجہ سے مسٹر پاسلی کو نواب گورنر جنرل کا خط بنام شاہ سپرد کیا گیا ہے کہ وہ لے جاویں اور

Marfat.com

پھر اپنی چٹھی مورخہ ۱۷ر اکتوبر ۱۸۰۲ء میں مسٹر ایڈمنسٹن پولیٹکل سکریٹری کو لکھا کہ مسٹر لوبٹ کا عقب سے جانا ضرور ہے۔ مگر یہ خط معذرت گورنر جنرل کا بذریعہ مسٹر مینسٹی جو سفیر بصرہ میں تھے شاہ کی خدمت میں پہنچایا گیا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور اس کا ذکر تاریخ سفارت حاجی خلیل خاں و محمد نبی خاں میں جو ۱۸۸۶ء میں بمبئی میں چھپی ہے بصفحہ ۵ احسب ذیل مندرج ہے۔

"مارکویس ولزلی یک معذرت نامہ مصحوب مسٹر مینسٹی بالیوز بصرہ و دیگران با جامہ ہائے سیاہ کہ نشان عزا داریست بدربار ایران فرستاد و نامہ و ہدایائے فوق را ایشان برداشتہ بحضور اعلیٰ حضرت علی شاہ رفتند کہ یکتن از مامورین نظام و یک کمپنی سپاہ نظام از تاریخ وقوع ایں حادثہ در بندر بمبئی محبوسند و ایں حادثہ ناگاہ روے دادہ و اعلےٰ حضرت پادشاہی نیز از راہ مراحم بیکران شاہانہ برہائی محبوسین فرمان داد و نامہ و ہدایائے ایشان را پذیرفتہ و مسٹر مینسٹی بمحل ماموریت خویش شتن

مارکویس آف ولزلی نے ایک معذرت نامہ مسٹر مینسٹی سفیر بصرہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ سیاہ لباس میں جو عزاداری کی علامت ہے۔ ایران کے دربار میں بھیجا اور یہ لوگ خط اور اس کے ساتھ تحائف لے کر اعلیٰ حضرت فتح علی شاہ کی خدمت میں گئے کہ نظام کے متعین کردہ لوگوں میں سے ایک شخص اور نظام کی فوج کی ایک کمپنی بمبئی کی بندرگاہ میں قید ہے اور (یہ کہ) یہ حادثہ اچانک رونما ہوا تھا (کوئی سازش نہیں تھی) اعلیٰ حضرت (فتح علی شاہ) نے بھی ازراہ مراحم خسروانہ، قیدیوں کی رہائی کا حکم صادر فرمایا اور ان (سفراء) کے خط اور

برگشت۔" تحائف کو قبول کیا مسٹر مینٹی اپنے مقام ملازمت پر واپس چلے گئے۔" (مرتب)

خواجہ فرید وفد ایران میں

مارکویس آف ولزلی نے مسٹر لوٹ اور خواجہ فریدالدین احمد دونوں کا بھیجنا تجویز کیا۔ اُن کی تاریخ روانگی ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتی مگر غالباً ۱۸۰۳ء مطابق ۱۲۱۸ھ ہجری کے روانہ ہوئے ہوں گے۔

کسی انگریزی تاریخ سے جہاں تک ہم نے تلاش کی مسٹر لوٹ کا ایران یا بوشہر پہنچنا معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کی روانگی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ خواجہ فریدالدین احمد کا دستور تھا کہ وہ برابر اپنا روزنامچہ لکھا کرتے تھے۔ اور عہدِ شباب سے ان کے انتقال سے دو ہفتہ پیشتر کا روزنامچہ لکھا ہوا موجود تھا اور راقم نے بارہا اُس کو بطور ایک دلچسپ تاریخ کے پڑھا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ زمانۂ غدر ۱۸۵۷ء میں وہ روزنامچہ تلف ہوگیا۔
راقم کو یاد پڑتا ہے کہ اس روزنامچہ میں لکھا تھا کہ مسٹر لوٹ بیمار ہوگئے اور گورنر جنرل کے حکم سے خواجہ فریدالدین احمد بطور سفیر مستقل کے روانہ ہوئے۔

بوشہر پہنچنے کے بعد وہ شیراز اور طہران میں گئے اور کئی دفعہ فتح علی شاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور فتح علی شاہ کی مہربانی اُن کے حال پر خصوصاً بلحاظ ان کے اعلیٰ درجہ کے علوم ریاضیہ کے جاننے

Marfat.com

کے بہت زیادہ ہوگئی تھی۔

بوشہر اور شیراز اور طہران میں جو واقعات گذرے ہوں اُن کے بالتفصیل لکھنے کا بسبب تلف ہوجانے روزنامچہ کے کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ مگر جہاں تک کہ راقم کو بالاجمال یاد ہے وہ اس قدر ہے کہ خواجہ فریدالدین احمد نے شاہزادہ حسین علی میرزا اور صادق علی خاں نوای بیگم بیگی دیہو بو چراغ علی خاں ہیں جن کے نام میجر بالکم نے چیٹی لکھی تھی) سے دربار شاہی میں رسوخ رکھتے تھے بہت زیادہ دوستی پیدا کی تھی اور ان ہی لوگوں کے ذریعہ سے جو سفارت کے تھے ان کو بخوبی انجام دیا تھا۔

ایرانی سفیر ہندوستان میں

بڑا مقصد اس سفارت کا یہ تھا کہ شاہ ایران کو بجلست حاجی خلیل خاں مقتول کے ہندوستان میں دوسرے سفیر کے بھیجنے کی ترغیب دی جاوے تاکہ دوستی اور ارتباط دونوں سلطنتوں کا قائم رہے۔ اور شاہ کو اس بات کا یقین دلایا جائے کہ درحقیقت حاجی خلیل خاں کے مارے جانے کا واقعہ ایک امر اتفاقی تھا اور گورنمنٹ انگریزی کوئی الزام اُس کا اس مرحوم کی نسبت خیال نہیں کرتی جیسا کہ نواب مہدی علی خاں نے اُس کو شہرت دی تھی۔ اس مقصد میں بخوبی کامیابی ہوئی اور شاہ نے دوسرا سفیر ہندوستان میں بھیجنا منظور کرلیا اور محمد نبی خاں کا شاہ کی طرف سے بطور سفیر کے ہندوستان میں بھیجنا تجویز کیا گیا۔

Marfat.com

سفیر ایران سے خواجہ فرید کی دوستی

خواجہ فریدالدین احمد کی محمد نبی خاں سے بھی دوستی تھی اور جب کہ اُن کا ہندوستان میں بطور سفیر کے بھیجنا تجویز ہوا تو محمد نبی خاں نے بہت زیادہ راہ و رسم خواجہ فریدالدین احمد سے بڑھالی تھی۔ محمد نبی خاں کی سفارت ہندوستان کا مفصل حال تاریخ سفارت حاجی خلیل خاں و محمد نبی خاں مطبوعۂ بمبئی میں مندرج ہے۔ محمد نبی خاں کو شعر کا بھی مذاق تھا۔ اُس کی دوستی کا خواجہ فریدالدین احمد سے یہ بڑا ثبوت ہے کہ جب خواجہ فریدالدین احمد امور سفارت کے انجام دینے کے بعد شیراز سے بوشہر کو روانہ ہونے لگے تو محمد نبی خاں نے چند اشعار الوداعی بطور علامت دوستی کے تصنیف کر کے خواجہ فریدالدین احمد کو پیش کش کئے۔ وہ اشعار ہمراہ دیگر اشعار محمد نبی خاں کے تاریخ سفارت مذکورۂ بالا میں بصفحہ ۱۰۳ چھاپہ ہوئے ہیں جن کو ہم بلفظہٖ مع اُس عبارت کے جو ان کے عنوان پر لکھی ہے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

قطعہ کہ بخواجہ فریدالدین احمد در شب روانگی ایشان از شیراز بندر ابوشہر بدیہہ نوشتہ شد

مشفقا امشب چو زلفِ گل رخاں — خاطرِ جمعم پریشاں گشتہ است
حیرت افزاید مرا از خویشتن — کز چہ رو اجالم اینساں گشتہ است

Marfat.com

خاکدانِ دہر را نہ آب و ہوا — آتشی گویا فروزاں گشتہ است
بر دلم نہ از گلے خارے خلید — تا بگویم اینم اذاں گشتہ است
ہم یک امشب بندہ را مسرور دار — دل ترا اے جان چہ خواہاں گشتہ است
ہجر تو بس مشکل آید بر سفید — از چہ رو پیشِ تو آساں گشتہ است

خواجہ فرید کی کلکتہ واپسی اور برما کا سفر

اس سفارت کے انجام دینے کے بعد خواجہ فرالدین احمد بوشہر سے کلکتہ واپس آئے اُس وقت[1] کوئی پولیٹکل امر گورنمنٹ انگریزی اور سلطنت اوا واقع برہما میں درپیش تھا۔ اُس کے طے کرنے کو خواجہ فریدالدین احمد گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے بطور ایجنٹ مقرر ہو کر اوا میں گئے اور اُس کو انجام دے کر پھر کلکتہ میں واپس آئے۔

بوندیل کھنڈ میں تحصیلداری

اُن کی واپسی کے تھوڑے عرصے پیشتر یعنی ۱۸۰۳ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں ملک بندیل کھنڈ فتح ہو چکا تھا اور واسطے وصول مال گذاری کے دیہی پر تحصیلداروں کا تقرر ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں وہ عہدہ نہایت معزز اور

---

[1] کمپنی اور برما کی پہلی جنگ ۱۸۲۴ء میں ہوئی تھی اس لئے اتنے پہلے کمپنی کی طرف سے کسی سفیر کا جانا کسی سیاسی و تجارتی معاہدہ کے لیے ہی ہوگا۔

Marfat.com

ذی اختیار تھا۔ اُن تحصیلداروں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی بلکہ ایک حصہ ملک کا سپرد ہو جاتا تھا اور جس قدر روپیہ وہ اُس ملک سے مال گذاری کا وصول کرتے تھے دس روپیہ سیکڑہ حق التحصیل اُس میں سے لیتے تھے۔ خواجہ فریدالدین احمد ادا سے واپس آنے پر بوندیل کھنڈ میں اُس عہدہ پر مقرر ہوئے اور پرگنات اونگاسی وغیرہ جواب ضلع باندہ میں شامل ہیں ان کے سپرد ہو گئے جب یہ انتظام شکست ہو گیا اور کلکٹر اور معمولی تحصیلدار مقرر ہوئے اس وقت خواجہ فریدالدین احمد اُس عہدہ سے کنارہ کش ہو کر دلّی میں واپس آئے۔

دہلی واپسی

خواجہ فریدالدین احمد ۱۲۱۲ھ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء کے دلّی سے نکلے تھے اور ۱۲۲۵ھ ہجری مطابق ۱۸۱۰ء کے بارہ تیرہ برس کے بعد واپس آئے۔ اس عرصہ میں دلّی میں بہت سے واقعات گذر چکے تھے۔

شاہ عالم

جب وہ گئے تو شاہ عالم بادشاہ تھے اُن کی آنکھیں نکل چکیں[1] تھیں اور اُن کی

---

[1] یہ ۱۷۸۸ء کا واقعہ ہے میر تقی میر نے کہا ہے

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جن کی
انھیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

Marfat.com

حالت نہایت خستہ اور خراب تھی۔ انھوں نے اپنی خستہ حالی کے بیان میں ایک غزل لکھی ہے اور ہر ایک سے اور نیز انگریزوں سے مدد چاہی ہے۔ ہم اس غزل کو بطور تاریخانہ یادگار کے اس مقام پر لکھتے ہیں۔ یہ غزل مفتاح التواریخ مؤلفہ ولیم بیل میں بھی چھپی ہے مگر نہایت غلط چھپی ہے۔ ہم اس کو صحیح کر کے چھاپتے ہیں اور جو اشارات اس غزل میں ہیں حاشیہ پر اس کی تصریح بھی لکھ دیتے ہیں۔ وہ غزل یہ ہے۔

شاہ عالم کی غزل

صرصرِ حادثہ برخاست پئی خواری ما ۔۔۔ داد بر باد سر و برگ جہانداری ما
آفتابِ فلکِ رفعتِ شاہی بودیم ۔۔۔ برد در شامِ زوال آہ سیہ کاری ما
چشمِ ما کندہ شد از دستِ فلک بہتر شد ۔۔۔ تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغاں بچۂ[1] شوکتِ شاہی بر باد ۔۔۔ کیست جز ذاتِ مبرا کہ کند یاری ما
بود جاں کاہ زر و مالِ جہاں ہمچو مرض ۔۔۔ دفع از فضلِ الٰہی شدہ بیماری ما
کردہ بودیم گناہی کہ سزایش دیدم ۔۔۔ ہست امید کہ بخشند گنہ گاری ما
کردہ سی سال نظارت[2] کہ مراداد بباد ۔۔۔ زود تر یافتہ پاداشِ ستمگاری ما
عہد و پیماں بمیاں دادہ نمودند دغا ۔۔۔ مخلصاں خوب نمودند وفاداری ما
شیر دادم افعی بچہ را پروردم ۔۔۔ عاقبت گشت مجوز بگرفتاری ما

---

[1] مراد ازاں غلام قادر خاں ہست ۱۲ مؤلف

[2] مراد ازاں منظور علی خاں ناظر است۔ ۱۲ مؤلف

Marfat.com

حق طفلاں کہ بسی سال فراہم کردیم — کردہ تاراج و نمودند سبک باری ما
قوم مغلیہ وافغان ہمہ بازی دادند — بسکہ گشتند مجوز بگرفتاری ما
گل محمد کہ ز مرواں بشرارت کم نیست — چہ قدر کرد وکالت پی آزاری ما
آں نیاز و و سلیمان و بدل بیگ لعین — ہر سہ بستند کمر بہر گرفتاری ما
شاہ تیمور کہ دارد سر نسبت با من — زود باشد کہ بیاید بمدد گاری ما
مادھوجی سیندھیہ فرزند جگر بند نیست — ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
این گدا زادہ ہمداں کہ بدوزخ برود — بانی جور و ستم شد بدل افگاری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند — چہ عجب گر بنمایند مددگارے ما
راجہ و راؤ و زمیندار۔ امیر و چہ فقیر — حیف باشد کہ نہ سازند بہ غمخواری ما
نازنیناں پری چہرہ کہ ہمدم بودم — نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما
گرچہ ما از فلک امروز حوادث دیدیم — باز فردا دہد ایزد بسر سرداری ما

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

اس عرصہ میں ۱۵ ستمبر ۱۸۰۳ء مطابق ۱۲۱۹ھ کے لارڈ لیک نے دلی کو فتح کر لیا اور انگریزی عمل دلی میں ہو گئی اور ۲۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو دلی کا انتظام جنرل اختر لونی کے سپرد کیا گیا۔ جنرل اختر لونی بطور رزیڈنٹ کے وہاں تھے اور کرنل برن بطور اعلیٰ افسر فوج کے۔ لارڈ لیک مرہٹوں کے مقابلہ مصروف تھے۔ ہولکر نے ۹ر اکتوبر ۱۸۰۳ء کو نواح متھرا میں لارڈ لیک سے شکست پائی اور دہلی کی طرف چلا۔ اور ۸ر اکتوبر ۱۸۰۴ء کو دہلی کی فصیل کے تلے پیادوں

Marfat.com

اور سواروں کی فوج اور سوتوپیں لے کر آپہونچا۔ اور دہلی کا محاصرہ کرلیا۔ ایک میرے معزز بزرگ جو اس وقت میں جوان تھے مجھ سے کہتے تھے کہ انھوں نے دہلی دہلی کی فصیل پر چڑھ کر ہولکر کی فوج کو دیکھا۔ ایک لہراتا ہوا دریا سواروں کی فوج کا معلوم ہوتا تھا۔ اور یقین نہیں ہوتا تھا کہ دلّی کے اندر جو قلیل فوج ہے وہ دلّی کو بچا سکے گی اور اس فوج کو شکست دے گی۔

جنرل اخترلونی کو اس بات کی خبر پہنچ گئی تھی کہ ہولکر کا ارادہ دلّی پر آنے کا ہے انھوں نے نہایت دانش مندی سے اُس کا کافی بندوبست کیا تھا۔ کرنل برن کو معہ فوج کے سہارن پور سے بلایا تھا۔ اور دولت راو والی جو بزیر کمان کپتان ہیرسٹ کے رہتک میں تھی اور نجیبوں کو جو زیر حکم لفٹنٹ برج کے پانی پت میں تھی دلّی میں جمع کر لیا تھا۔ ہولکر نے ۸ر اکتوبر ۱۸۰۴ء مطابق ۱۲۱۹ھ کے دلّی پر حملہ کیا۔ دہلی کی فوج نے گولہ باری شروع کی۔ کئی دن لڑائی رہی اور ہولکر کو شکست ہوئی اور بھاگ گیا۔ وہی میرے دوست کہتے تھے کہ ہولکر کے بھاگ جانے کے بعد میدان صاف دیکھ کر تعجب آتا تھا کہ ہولکر کی اس قدر کثیر فوج کہاں غائب ہوگئی اور کون اس کو کھا گیا۔ پادشاہ نے جنرل اخترلونی کو نصیر الدولہ معز الملک وفادار خاں بہادر ظفر جنگ کا خطاب عنایت فرمایا۔

اس کے بعد شاہ عالم ۷ر رمضان ۱۲۲۱ھ ہجری مطابق ۱۸ر دسمبر ۱۸۰۶ء عیسوی کے مرگئے اور اکبر شاہ ثانی تخت نشین ہوئے۔

Marfat.com

مرزا جہانگیر کا قضیہ

اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ایک سخت واقعہ پیش آیا۔ نواب ممتاز محل نے جو اکبر شاہ کی نہایت چاہیتی بیوی اور مرزا جہانگیر اور مرزا بابر کی ماں تھیں یہ بات چاہی کہ مرزا ابوالظفر عرف مرزا ابن جو سب سے بڑے بیٹے پادشاہ کے تھے اور جو انجیر کو بہادر شاہ ہوئے ولی عہد نہ بنائے جاویں۔ بلکہ مرزا جہانگیر ولی عہد ہوں پادشاہ بھی اپنی چاہیتی بیوی کی مرضی کے تابع تھے مگر حکام انگریز اس کو جائز نہیں رکھتے تھے۔ مرزا جہانگیر نے فساد کرنا چاہا اور قلعہ میں کچھ مسلح آدمی جمع کیے۔ اس زمانہ میں مسٹر سیٹن رزیڈنٹ تھے۔ وہ مرزا جہانگیر کے سمجھانے کو قلعے میں گئے۔ مرزا جہانگیر نے اُن پر تپنچہ کی گولی چلائی۔ وہ بچ گئے۔ اور ان کی ٹوپی میں گولی لگی۔ وہ واپس آئے اور مرزا جہانگیر نے قلعہ کے دروازے بند کر لیے۔ مسٹر سیٹن رزیڈنٹ تھوڑی سی فوج لے گئے۔ قلعہ کا دروازہ اوکھاڑ کر اندر گھس گئے اور مرزا جہانگیر کو گرفتار کر کے قلعہ الہ آباد میں رہنے کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۰۹ء مطابق ۱۲۲۴ ہجری کے وقوع میں آیا۔ اس وقت مرزا جہانگیر کی عمر انیس ۱۹ یا بیس برس کی تھی اور اسی زمانہ سے قلعہ کے دروازوں پر ایک کمپنی انگریزی فوج کی متعین ہوگئی۔ اور ایک کپتان قلعہ کے لاہوری دروازہ پر رہنے لگا۔ مرزا جہانگیر کا انتقال ۱۸۲۱ء مطابق ۱۲۳۶ ہجری کے الہ آباد میں ہوا۔ اول اُن کی لاش خسرو باغ میں دفن ہوئی۔ پھر دلی میں لائی گئی جس

Marfat.com

ذکر ہم آئندہ لکھیں گے۔

اکبر شاہ ثانی کی درخواست نامنظور

جب یہ واقعہ ہوا لارڈ منٹو گورنر جنرل تھے اور اکبر شاہ کی متعدد درخواستیں نسبت اپنے استحقاق اور اختیارات کے لارڈ منٹو کے سامنے پیش تھیں۔ مگر اس واقعہ کے بعد لارڈ منٹو نے سب کو نامنظور کیا اور صرف چھتر ہزار پانسو روپیہ ماہواری جس کا اقرار لارڈ ولزلی نے کیا تھا بطور پنشن کے مقرر کر دیا جس کا اضافہ ایک لاکھ روپیہ ماہواری تک ہو گیا۔ بہادر شاہ کے وقت میں سوا لاکھ تک اضافہ کی تجویز ہوئی تھی مگر وہ جاری نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ اضافہ کا روپیہ بھی بادشاہی خزانہ میں آگیا تھا۔ پھر واپس کر لیا گیا۔

خواجہ فرید پھر کلکتہ میں

خواجہ فریدالدین احمد بوندیل کھنڈ سے واپس آنے کے بعد پھر کلکتہ کو چلے گئے، ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک رسالہ مسمی "تحفۂ نعمانیہ"[1] صنعت اصطرلاب میں ہمارے پاس موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۳۱ھ

---

[1] بعد میں خواجہ فریدالدین کے اخلاف نے "تحفۂ نعمانیہ" کو "جوہرِ فریدیہ" کے نام سے شائع کر دیا۔ تفصیل مقدمہ میں ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

مطابق ۱۸۱۵ء کے کلکتہ میں تھے۔ چنانچہ عبارت خاتمہ تحریر رسالہ مذکور یہ ہے "وتمت الرسالۃ جمادی الثانی ۱۲۳۱ھ ہجری درکلکتہ فرید" مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس سنہ میں دلی سے کلکتہ میں گئے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کی تنگ حالی

اکبر شاہ اگرچہ تخت نشین ہوئے۔ مگر اخراجات کی تنگی کا وہی حال تھا، جو شاہ عالم کے وقت میں تھا۔ شاہ عالم ہی کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی۔ تمام کارخانے ابتر ہو گئے تھے۔ شاہزادوں کو جو قلعہ کے نو محلے میں رہتے تھے ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا۔ اور وہ چھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں بھوکے مرتے ہیں۔

اکبر شاہ کے عہد میں بھی یہی ابتری تھی۔ خرچ آمدنی سے بہت زیادہ قرضہ ہو گیا تھا اور تنخواہیں ملازمین اور شاہزادوں کی دو دو مہینے تین تین مہینے تک نہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ اکبر شاہ کو ان خرابیوں کے رفع ہونے کی نہایت فکر تھی اور اس بات کا بھی خیال تھا کہ دلی اور اس کے مضافات میں خالص بادشاہ کی حکمرانی رہنی چاہیئے اور انگریزوں کو محاصل ملک سے تین لاکھ روپیہ ماہواری دینا لازم ہے۔

خواجہ فرید کی وزارت

سید محمد تقی خاں ابن جواد الدولہ جواد علی خاں مؤلف اس رسالہ کے

Marfat.com

والد اور خواجہ فرید الدین احمد کے داماد کو دربار شاہی میں پشتنی رسوخ تھا اور اکبر شاہ سے اُن کے زمانہ شہزادگی سے بہت زیادہ راہ و رسم تھی اور بادشاہ کبھی کبھی بھائی متقی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ اکبر شاہ نے سید محمد متقی سے چاہا کہ وہ انتظام امور بادشاہت اپنے ہاتھ میں لیں اور ان خرابیوں کا انتظام کریں۔ سید محمد متقی نے تو اس سے عذر کیا۔ مگر اپنے خسر خواجہ فرید الدین احمد کا اور اُن کی سفارت ایران اور اس کی کامیابی کا ذکر کیا اور یہ صلاح دی کہ اُن کو بلا کر وزیر کیا جائے تو غالباً سب اُمور کا انتظام ہو جائے۔ اکبر شاہ نے اس صلاح کو پسند کیا اور خواجہ فرید الدین احمد کو کلکتہ سے بلانے کا حکم دیا۔ اور وہ کلکتہ سے اُسی سال یعنی ۱۲۳۱ھ ہجری مطابق ۱۸۱۵ء عیسوی کے دلی میں آئے۔ بادشاہ کی ملازمت کی۔ اکبر شاہ نے اُن کو وزیر مقرر کیا۔ خلعت وزارت اور خطاب دبیر الدولہ امین الملک مصلح جنگ کا عطا کیا۔

خواجہ نے شاہ کی مشکلات کے حل ڈھونڈ لئے

خواجہ فرید الدین احمد نے اپنے ایام وزارت میں اس وجہ سے کہ بادشاہ قرض دار ہو گئے تھے قرضہ ادا کرنے اور اخراجات برابر کرنے کی تین تدبیریں کیں۔ تمام شاہزادگان و بیگمات و ملازمان و عملۂ شاہی کی تنخواہوں سے دس روپیہ فی صدی تنخواہ کم کر دی اور دو مطبخ یعنی شاہی باورچی خانے جو بڑے[1]

[1] بڑا خاصہ وہ کھانا کہلاتا تھا جو تمام ملازموں اور عہدہ داروں اور خواصوں اور باری داروں کو جو (باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۰۸ پر ملاحظہ ہو)

Marfat.com

خاصہ اور چھوٹے خاصہ، کے نام سے موسوم تھے۔ اور جن کا روزانہ صرف کثیر تھا اور
اور کثیر تھا اور اسی کے ساتھ بعض دیگر غیر ضروری کارخانہ جات کو موقوف کر دیا۔
اور تیسرا کام یہ کیا کہ دیوانِ عام کی چھت جس میں تانبے کی موٹی چادریں بطور
چھت گیری کے لگا کر اُس پر پیتل کی ڈنڈیوں نہ پھولوں سے جن پر سنہری لمع
تھا بطور خاتم بندی کے بنائی گئی تھی اور جس کو بعہد شاہ عالم ۱۱۷۳ھ ہجری
مطابق ۱۷۵۹ء کے بھاؤ مرہٹہ نے اُکھاڑ ڈالا تھا اور لے نہ جاسکا تھا اور
وہ سب اُکھڑی ہوئی پڑی تھی اور پھر اُس کا بنانا بنظر حالاتِ شاہی غیر ممکن
تھا اُس کا سونا الگ اُتر والیا اور جس قدر تانبا تھا شاہی ٹکسال میں اُس کے پیسے
بنوا ڈالے (غدر سے پہلے تک یہ پیسے دلی میں مروج تھے) اور پیتل فروخت کر دیا
اور اس تدبیر سے کئی لاکھ روپیہ قرض شاہی ادا کیا۔ ان انتظاموں سے آمدنی
اور خرچ برابر ہو گیا تنخواہیں ماہوار ملنے کا انتظام ہو گیا۔

اہلِ قلعہ کی ناخوشی

مگر شاہزادے اور بیگمات اور درباری سب اس بات سے کہ اُن کی تنخواہیں

(بقیہ نٹ نوٹ ۱۰۷ نمبر ۱ کا)

چوکی پہرہ کو دن رات اپنی اپنی باری سے دیوان خاص اور خاص ڈیوڑھی اور دیگر مقامات خاص میں حاضر رہتے تھے پادشاہ کی طرف سے تیار ہو کر دیا جاتا تھا۔ ۱۲

ٰ۲ چھوٹا خاصہ وہ کھانا کہلاتا تھا جو تیار ہو کر محل میں بھیجا جاتا تھا اور بڑے بڑے امیر یا حکیم جو اپنی باری یا کسی ضرورت سے قلعہ میں رہ جاتے تھے اُن کو بھیجا جاتا تھا۔ ۱۲

Marfat.com

کم ہوگئیں تھیں نہایت ناراض تھے اور خاصوں اور کارخانہ جات کی موقوفی عام شکایت کا باعث تھی۔ ان اسباب سے ہر شخص نے پادشاہ کے پاس شکایتیں شروع کیں۔ دیوان عام کی چھت کی نسبت جو کچھ کیا گیا تھا وہ پادشاہ کی اجازت اور مرضی سے کیا گیا تھا۔ مگر تمام لوگ چرچا کرتے تھے کہ دیوان خاص کی چاندی کی چھت نادر شاہ نے لوٹ لی۔ اور دیوان عام کی تانبے کی چھت خواجہ فرید نے رفتہ رفتہ ان شکایتوں کا اثر پادشاہ کے دل پر بھی ہوا اور دبیر الدولہ نے عہدۂ وزارت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا مناسب نہ جانا۔ یا یہ کہ وہ زیادہ اپنے ہاتھ میں نہ رکھ سکتے تھے۔ انھوں نے اس عہدہ سے استعفا دیا اور چند روز بعد پھر کلکتہ کو چلے گئے۔

خواجہ فرید کا استعفا

ان کے بعد کے تمام اختیارات وزارت نواب ممتاز محل کے جو پادشاہ بیگم تھیں قبضۂ اقتدار میں چلے گئے اور انھیں کی طرف سے مختلف اشخاص وزارت کا کام انجام دیتے تھے۔

ان واقعات کے چند روز بعد پادشاہت نے پھر واسطے اضافہ پیشکش کے تحریک کرنی چاہی اور اس باب میں ایک مراسلہ بنام گورنر جنرل تیار کیا گیا۔ جس میں زیادہ تر شکایت اس بات کی تھی کہ آمدنی واسطے اخراجات ضروری کے کافی نہیں ہے۔ سید محمد تقی خاں نے موقع

Marfat.com

پاکر بادشاہ سے عرض کیا کہ دبیر الدولہ کلکتہ میں موجود ہے اور آمدنی اور اخراجات کا حال اُن کو معلوم ہے اور کاغذات جمع خرچ کی یادداشتیں بھی اُن کے پاس ہیں اور درحقیقت آمدنی و خرچ برابر ہوگیا ہے اور قرضہ بھی ادا ہوگیا ہے۔ اگر گورنر جنرل اُن سے دریافت کرے تو بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ بالفعل آمدنی اور خرچ برابر ہے۔ قرضہ بھی نہیں ہے۔ اس وقت جو مراسلہ کا بھیجنا تجویز کیا گیا ہے وہ کیوں کر تسلیم ہوگا۔

دوبارہ وزارت

بادشاہ کے دل میں اس بات نے جگہ کی اور کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو مگر اس کی تدبیر کیا ہے۔ سید محمد متقی خاں نے عرض کیا کہ خواجہ فرید کا علٰحدہ کر دینا مصلحت نہیں تھا۔ اگر اس میں کچھ سعی و کوشش ہوسکے گی تو دبیر الدولہ ہی کی تدبیر و کوشش سے ہوسکے گی۔ پادشاہ نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد اس بات کو پسند کیا اور دبیر الدولہ کے کلکتہ سے بلانے کو حکم دیا۔ چنانچہ وہ کلکتہ سے آئے اور دوبارہ ۱۲۳۵ھ ہجری مطابق ۱۸۱۹ء عیسوی کے بدستور اپنے عہدہ سابق پر مامور رہے۔

اس دفعہ کے تقرر میں بھی نواب دبیر الدولہ نے درحقیقت ماہواری پنشن کے اضافہ کو جو بنام پیش کش، پادشاہ کے لئے مقرر

بھی کوئی کوشش نہیں کی اور ہمیشہ لیت و لعل کرتے رہے جس کے سبب سے پادشاہ کی کبیدگی خاطر بڑھتی جاتی تھی۔ جو لوگ اُن کے مخالف تھے اُنھوں نے پادشاہ کے دل میں یہ بات جمائی کہ دبیر الدولہ انگریزوں سے سازش رکھتے ہیں اور اس لئے اُس میں کوشش نہیں کرتے اور لوگوں کو بھی تعجب تھا کہ وہ کیوں اس میں تساہل کرتے جاتے ہیں آخر کار پادشاہ نے یہ بات چاہی کہ وزارت کے کام میں اور شخصوں کو بھی دبیر الدولہ کے شریک کیا جائے۔ اس شراکت کے تین شخص خواہاں ہوئے۔

ایک نواب محمد میر خاں جن کے باپ شاہ جی اُس زمانہ میں دہلی کے صوبہ دار تھے جب کمپنی انگریز نے دہلی پر قبضہ کیا تھا۔ دوسرے راجہ کیدار ناتھ اور تیسرے راجہ جی سکھ رائے۔

یہ واقعہ جولائی سنہ ۱۸۲۰ء کا ہے جو مطابق سنہ ۱۲۳۶ھ کے (واضح ہو کہ اس واقعہ کا سال ہم کو جنرل گارڈنر کے روزنامچہ سے جو ان کے خاندان میں محفوظ ہے اور جو کاسگنج ضلع ایٹہ میں ہے دستیاب ہوا ہے) مگر نواب ممتاز محل راجہ جی سکھ رائے کی طرفدار تھیں اور وہ چاہتی تھیں کہ سب کو نکال کر راجہ جی سکھ رائے کو مقرر کیا جاوے۔ دبیر الدولہ اُن کی شرکت میں کام کرنا منظور نہیں کرتے تھے۔ چند روز اسی طرح فقرہ بازیاں اور تدبیریں رہیں آخر کار بصلاح جنرل اکٹرلونی کے جو رزیڈنٹ تھے اور دبیر الدولہ سے نہایت دوستی رکھتے تھے سنہ ۱۸۲۲ء مطابق سنہ ۱۲۳ ہجری کے دبیر الدولہ نے استعفا دے دیا۔ اس دفعہ غالباً تین برس یا ساڑھے تین برس تک اُنھوں نے وزارت کا کام انجام دیا۔

Marfat.com

ایک یادگار تصویر

اس میں شاہزادوں اور امراء کے دو گروہوں میں جو بادشاہ کے روبرو کھڑے ہیں دو شکلیں جنرل اکٹرلونی اور وزیر اعظم خواجہ فریدالدین احمد کی ہیں جو برابر کھڑے ہیں۔ جنرل پوری پوشاک پہنے، آڑی ٹوپی رکھے بحیثیت باعصائے[1] عزت پر جھکے ہوئے ہیں۔ وزیر اعظم کے پاس بھی جریب ہے۔ یہ تصویر جشن کے دربار کی ہے جو دیوان خاص میں ہوتا تھا۔ دیوان عام کا دربار بہت زمانے سے موقوف ہو چکا تھا۔ بادشاہ تخت طاؤس پر بیٹھے ہوئے ہیں جو اصلی تخت[2] طاؤس شاہجہانی کی نقل بنایا گیا تھا۔

اکٹرلونی

جنرل اکٹرلونی اور وزیر اعظم دبیرالدولہ خواجہ فریدالدین احمد میں بڑی

---

[1] جریب کا ملنا بادشاہی دربار میں تعزز اور تقرب کی علامت تھی۔ دربار میں کھڑے رہنے کے لئے سہارے کے واسطے عصا ملتا تھا۔ کیوں کہ دربار شاہی میں جملہ حاضرین ہر قسم کو کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ ۱۲

[2] یہ تخت طاؤس وہ تھا جو اصلی تخت طاؤس کے نادر شاہ کے زمانہ میں لٹ جانے کے بعد محمد شاہ کے وقت میں بنایا گیا تھا۔ نہایت خوب صورت تخت تھا اور بالکل شاہجہاں کے تخت کی نقل تھا مگر لکڑی کا تھا اور نگینہ بجائے جواہرات جڑے گئے تھے وہ بھی اصلی نہ تھے۔ بہادر شاہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں ایک دوسرا تخت چاندی کا بنوایا تھا۔ ۱۲ (مؤلف)

Marfat.com

دوستی تھی۔ جنرل اکٹرلونی اکثر دبیرالدولہ پاس جب چاہتے آیا کرتے تھے، اور اس لئے دبیرالدولہ کی مسند کے پاس ہمیشہ ایک نہایت عمدہ لال مخمل کی آرام کرسی رکھی تھی کہ جب وقت بے وقت جنرل صاحب آویں تو اس پر بیٹھیں۔ دبیرالدولہ اپنی مسند پر اور جنرل اکٹرلونی اُس کرسی پر بیٹھتے تھے۔

لونی سے سرسید کا سوال

ایک دن جنرل اکٹرلونی آئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً راقم کسی سبب سے وہاں گیا اور جنرل صاحب کو دیکھ کر واپس آنے لگا۔ مگر انھوں نے بلا لیا اور کچھ بات کی راقم نے جنرل سے جو فل ڈریس پوری پوشاک یا وردی) پہنے ہوئے تھے پوچھا کہ "آپ نے ٹوپی میں پر کیوں لگا رکھے ہیں اور کوٹ میں دوہرے بٹن کیوں لگائے ہیں"۔ جنرل اس سوال سے بہت خوش ہوئے اور مسکرا کر خاموش ہو رہے۔ اس وقت راقم کی عمر پانچ یا چھ برس کی ہوگی۔

نادانی کا کام

دبیرالدولہ کے استعفے کے بعد راجہ جی سُکھ رائے زیادہ محیط ہوگئے اور کارکنانِ سلطنت نے بادشاہ کے مقاصد پورا ہونے کو زیادہ تدبیر کرنی چاہی جو محض نادانی کا

Marfat.com

کا[1] تھا۔

رام موہن رائے

اُنھوں نے رام موہن رائے کو جو کلکتہ کے ایک بابو اور نہایت لائق اور ذی علم اور متین۔ مہذب و با اخلاق تھے اور وہی برہما سماج مذہب کے جو اَب بنگالیوں میں نہایت کثرت سے رائج ہے۔ بانی ہیں بُلایا۔ اس ارادہ سے کہ بادشاہ کی طرف سے وکیل کر کے لندن بھیجا جاوے۔ چنانچہ وہ دلی میں آیے اور بادشاہ کی ملازمت کی اور اُن کو راجہ کا خطاب بادشاہ کی طرف سے دیا گیا اور آخر کار وہ بادشاہ کے وکیل ہو کر لندن میں بھیجے گیے اور ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۷ھ ہجری کے لندن پہنچے اور ۱۸۳۳ء مطابق ۱۲۴۹ھ ہجری کے وہیں مرگیے (راقم نے اُن کو متعدد دفعہ دربار شاہی میں دیکھا ہے اور دلی کے لوگ یقین کرتے تھے کہ ان کو مذہب اسلام کی نسبت زیادہ رجحان خاطر ہے) مگر اس کارروائی سے بھی مقصد حاصل نہ ہوا۔

---

[1] اکبر شاہ ثانی نے رام موہن رائے کو خط لکھا تھا وہ گویا ظاہر کرتا ہے کہ انگلستان سفیر روانہ کرنے کا منصوبہ خواجہ فرید الدین نے بنایا تھا اور اس مقصد کے لیے رام موہن رائے کا نام بھی اُنھوں نے ہی پیش کیا تھا، مگر سید اس کو راجہ سکھ رائے کی طرف منسوب کر کے نادانی کی بات کہہ رہے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار رنگین کا مقدمہ از ڈاکٹر سید معین الحق، کراچی۔

Marfat.com

بہادر شاہ بھی ناکام رہے

بہادر شاہ کے عہد میں بھی اس باب میں کوشش کی گئی اور حکیم احسن اللہ خاں صاحب[1] جو پادشاہی امور کے کارکن تھے۔ خود کلکتہ گئے اور وہاں سے ایک انگریز[2] کو اپنے ساتھ لائے اور پادشاہ کی طرف سے اُس کو وکیل کر کے لندن کو روانہ کیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

ناکامی کا اصلی سبب

اس ناکامی اصلی سبب[3] یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عالم اور لارڈ لیک

---

[1] مفصل حالات شخصیات میں ملاحظہ ہوں۔

[2] یہ انگریز جارج طامس تھا، بہادر شاہ نے :۔" جارج طامس کی تحریر و تقریر کی بڑی تعریف سُن کر بلایا اور اپنا ملازم کیا اس کے سامنے بہت سی قباحتیں بیان کیں وہ ان کی اصلاح کرائے۔۔۔۔۔اس فیصلہ کو جارج طامس بھی راجہ رام موہن رائے کی طرح منسوخ نہ کرا سکے۔" صفحہ ۳۹۴ تاریخ ہند عہد انگلشیہ از ذکاء اللہ۔ جارج طامس کو صرف ایک وقت میں سترہ ہزار روپیہ لندن روانہ کئے گئے۔ بہادر شاہ کا روزنامچہ۔

[3] اسے کہتے ہیں حسن عقیدہ! کمپنی کی کیسی کیسی کھلی کھلی وعدہ خلافی اور صریح بد عہدی کی تاویل کی جارہی ہے؟ (باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۶ پر ملاحظہ ہو)

Marfat.com

سے جو اقرار و معاہدے ہوئے تھے اس کے برخلاف شاہ عالم نے کوئی شقہ

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ ۳ ص ۱۱۵ کا)

فرنگی کی نیت شروع ہی سے بخیر نہیں تھی اور اُس نے شاہ عالم کے وقت سے بہادر شاہ کے عہد تک بدعہدیوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا تھا، شاہ عالم نے ۱۷۶۵ء میں کلایو کو الٰہ آباد میں سند دیوانی عطا کرنے کے فوراً بعد مطالبہ کیا کہ "حسب وعدہ مجھے اپنی حفاظت میں دہلی پہنچاؤ" مگر کلایو نے صاف انکار کر دیا کہ: "یہ میرے بس کی بات نہیں اس کا انتظام شاہ انگلستان ہی کر سکتے ہیں ان سے کہو" چنانچہ شاہ عالم نے ایک لاکھ روپئے کے قیمتی تحائف اور چار ہزار روپیہ بطور زادراہ دے کر مرزا اعتصام الدین اور کیپٹن سوئنٹین کو ۱۷۶۵ء میں انگلستان بھیجا لیکن کلایو وہ تحائف اور مراسلہ ہضم کر گیا، پیش ہونے اور منظور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا، آخر پونے تین سال کے بعد یہ وفد بے نیلِ مرام واپس لوٹ آیا۔

جب شاہ عالم مایوس ہو کر ۱۷۷۱ء میں از خود دہلی آ گئے تو ہیسٹنگز نے اس کو حیلہ بنا کر مال گزاری کی رقم دینا بند کر دی۔

پھر اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ہیسٹنگز نے دربار میں شاہ کے ساتھ مساوات وغیرہ کا مطالبہ کر کے تعلقات کو ناخوش گوار کر لیا، ۱۸۰۹ء میں مرزا جہانگیر کا حادثہ رونما ہو گیا، غرض یہ کہ کسی نہ کسی بہانے سے ماہانہ رقم پر ہاتھ صاف ہوتا رہا۔ اپنی شکایات کے ازالہ کے لئے خواجہ فریدالدین کو وزارت پیش کی گئی، مگر انھوں نے مقدمہ کی پیروی کرنے کے بجائے متوسلین شاہ کی تنخواہوں میں کمی اور قلعہ کے ساز و سامان کی فروخت شروع کر دی، جب مجبوراً ان کو برطرف کیا گیا تو ان کے خویش دست

(باقی فٹ نوٹ ص ۱۱۷ پر)

Marfat.com

مرہٹوں کے نام لکھا تھا جب کہ مرہٹوں اور لارڈ لیک میں لڑائی ہو رہی تھی۔ وہ شقہ لارڈ لیک کے ہاتھ آگیا تھا اور اس سبب سے جو معاہدے لارڈ لیک نے اس کے قبل شاہ عالم سے کئے تھے وہ سب زائل اور ساقط ہو گئے تھے اور اس لیے درحقیقت شاہ عالم اور کمپنی انگریز کو اختیار کلی حاصل تھا کہ بادشاہ اور خاندان شاہی کے ساتھ بلحاظ مصلحتِ ملکی جس طرح پر چاہیے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۶ کا بسلسلہ ۳)

کے والد سید محمد متقی خاں) نے دھمکی دی کہ خواجہ کلکتہ چلا گیا ہے وہ انگریزوں سے شکایت کرے گا: لہذا پھر وزیر بنائے گئے۔ مگر اپنی وزارت کے عہد ثانی میں بھی انھوں نے کوئی سلسلہ جنبانی نہیں کی نتیجۃً پھر وزارت چھوڑنا پڑی۔ مگر چلتے چلتے رام موہن رائے کو سفیر بنا کر لندن بھیجنے کی تجویز پیش کرتے گئے۔ چنانچہ رائے موہن رائے کو شاہ نے کلکتہ سے بلایا، راجہ صاحب کا خطاب دیا اور مختار بنا کر بھیجنا چاہا، انگریزوں کو خبر لگی تو راجہ کو دھمکایا کہ اچھا ہماری شکایت لے کر جاتے ہو؟" وہ بدنصیب دباؤ میں آگیا اور جواب میں لکھا کہ "میں سفیر شاہ کی حیثیت سے نہیں ایک شہری کی حیثیت سے جاؤں گا" گویا خود اپنی سرکاری حیثیت تقریباً ختم کردی، چناں چہ یہ وفد بھی ناکام رہا۔

آخر میں بہادر شاہ نے ہزاروں خرچ کرکے جارج طامس کو کلکتہ سے بلایا اور سفیر بنا کر لندن بھیجا مگر یہ سعی بھی لاحاصل رہی اور انگریز کسی صورت سے ماہانہ رقم میں اضافہ پر راضی نہ ہوا۔ ان حقائق کو پس پشت ڈال کر ان مظلوم و مرحوم سلاطین پر عہد شکنی کے الزام عائد کرنا اور انگریزی کی "نابید و تصویب" کرنا، سراسر دیانت و حق پرستی کے خلاف ہے!

Marfat.com

کارروائی کرے۔ اگرچہ انگریزوں نے اس کو علانیہ ظاہر نہیں کیا مگر یہی وجہ تھی کہ تمام درخواستیں اور خواہشیں بادشاہ کی جو بربنائے عہد اور میثاق لارڈ لیک کے تھیں ان پر کچھ التفات نہیں ہوتا تھا۔

رنجیت سنگھ کی خواجہ فرید کو دعوتِ وزارت

وزارت سے استعفا دینے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے معتمد اور تیس[1] ہزار روپیہ بطور سفر خرچ دبیر الدولہ کے پاس بھیجا اور لاہور بلایا۔ سب لوگوں کی کمال خواہش تھی کہ وہ منظور کرلیں۔ مگر ان کی بڑی بیٹی یعنی والدۂ راقم نے کہا کہ خدا نے آپ کو اس قدر دیا ہے کہ جس طرح پر چاہیں آپ آرام کر سکتے ہیں اور اگر اس سے کچھ اور زیادہ ہو جاوے تو بھی جو آرام و آسائش آپ کو اب ہے اس میں کچھ زیادتی نہیں ہو سکتی۔ خود لاہور میں جانا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کے اختیارات لینا اور ہم سب کا انگریزوں کی عملداری میں رہنا اچھا نہیں ہے معلوم نہیں کیا اتفاقات پیش آویں اور کیا انقلابات ہوں اور کس قسم کی مشکلات پیش آجاوے پس اس زمانۂ ضعیفی میں کہ آپ کی طبیعت بھی علیل رہتی ہے، وہاں جانا میں پسند نہیں کرتی۔ دبیر الدولہ کے دل پر اس بات نے

---

[1] سفر خرچ تیس ہزار؟ کہیں یہ تین ہزار تو نہیں۔

Marfat.com

ایسا اثر کیا کہ جانے سے انکار کر دیا اور سفر خرچ واپس کیا اور پھر آخیر عمر تک باوجود ے کہ پھر بادشاہ کی طرف سے ایک دفعہ تحریک ہوئی مگر کوئی تعلق اختیار نہیں کیا۔

وفات

غرض کہ خواجہ فریدالدین احمد نے ایسی خوش زندگی بسر کر کے ۱۴ر محرم ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ء کے انتقال کیا۔ بیرون ترکمان دروازہ چونسٹھ کھنبہ میں جو ایک مشہور تکیہ شاہ فدا حسین کا تھا دفن کیے گئے۔ اُن کی قبر پر نہایت عمدہ نفیس عمارت بنائی گئی۔ ان کے بیٹوں نے اُن کی رسم سوم وچہلم میں ہزار ہا روپیہ خرچ کیا۔ اُن کے مزار پر سالہا سال تک بسنت چڑھتی تھی اور ایسا عمدہ ونفیس میلہ بہ سبب قرب شہر کے ہوتا تھا کہ تمام درگاہوں میں جو بسنتیں ہوتی تھیں سب مات ہوگئی تھیں۔

تاریخ وفات

اُن کے چھوٹے بیٹے نواب زین العابدین خاں نے مادۂ تاریخ وفات "جا بہ بہشت یافتم" نکالا اور اس کو بطور قطعہ کے موزوں بھی کیا تھا جو راقم کو یاد نہیں رہا۔ زمانۂ تحریر اس رسالہ میں یعنی ۵ ر اگست ۱۸۹۳ء کو میں نے اُس کا مولانا خواجہ الطاف حسین حالی سے کیا اُنھوں نے اُس تاریخ کو اس طرح پر موزوں کر دیا ؎

رخت سفر چو از جہاں خواجہ فرید دیں بہ بست

از پئے سال رحلتش سوئی بہ سوشتافتم

روئے نمود ناگہاں خواجہ شبی بہ خواب در
دید و بہ خندہ باز گفت "جا بہ بہشت یافتم"

ان کے انتقال کے کئی دن بعد مسٹر کول بروک جو اس زمانہ میں ۱۲۴۴ھ دہلی میں ریزیڈنٹ تھے ـ اور مسٹر ٹرویلین جو اسسٹنٹ ریزیڈنٹ تھے ـ بطور ماتم پرسی کے آئے ـ اُس وقت دبیر الدولہ کے بیٹے اور داماد اور پوتے اور نواسے سب موجود تھے ـ ان سب کو مخاطب کر کے کلمات تعزیت کہے اور بذریعہ پیغام کے کلمات محل سرا میں اُن کی بیٹیوں کو کہلا بھیجے ـ چھوٹے بچوں کے ساتھ جو اس وقت موجود تھے نہایت مہربانی سے پیش آئے اور دبیر الدولہ کی وفات پر نہایت تاسف ظاہر کیا ـ

نواب دبیر الدولہ نے نہایت عمدگی و خوبی و شان و شوکت امیری و نام آوری میں آخر عمر تک اپنی زندگی بسر کی ـ تمام رؤسا اور امرا اور شرفائے شہر ان کا نہایت ادب اور اعزاز کرتے تھے ان کے مزاج میں بہت زیادہ نفاست تھی ـ جس قدر اُن کا لباس فرش اور تمام چیزیں اوجلی رہتی تھیں اُن کا بیان مشکل ہے ـ علم سے اور بالتخصیص ریاضیات سے نہایت شوق تھا ـ اُن کا معمول تھا کہ دو تین طالب علموں کو سبق پڑھایا کرتے تھے ـ متعدد طالب علموں میں سے ذہین اور سمجھ دار منتخب کر لیتے تھے اور اگر کوئی امداد کا مستحق ہوتا تھا اس کا وظیفہ مقرر کر دیتے تھے ـ

خواجہ فرید کے تلامذہ

مولوی کرامت علی[1] صاحب ابن مولوی حیات علی صاحب جو دلی کے

[1] تفصیلی حالات شخصیات میں ملاحظہ ہوں ـ

Marfat.com

مشہور عالم تھے اور آخیر کو حیدر آباد چلے گئے اور مولوی رجب علی[1] صاحب شیعہ مذہب جنھوں نے آخر کو پنجاب میں نہایت عروج پایا اور خواجہ محمد ناصر جان جو بعد خواجہ محمد نصیر[2] کے سجادہ نشین حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ ہوئے اور حکیم رستم علی خاں[3] اُن کے مشہور شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے چھوٹے بیٹے نواب زین العابدین خاں نے جو اپنے وقت میں علم ہیئت اور زیچ دانی اور علم اور صنعت آلات رصد میں بے مثل تھے انھیں سے وہ سب علوم سیکھے تھے۔ علم ریاضی گویا ہمارا خاندانی علم ہو گیا تھا۔

کتب خانہ

کتاب بینی کا اس قدر شوق تھا کہ ان کے بڑے کتب خانہ کی کوئی کتاب کسی قسم کی اور کسی فن کی ایسی نہ تھی جو ان کی نظر سے نہ گزری ہو۔ اُن کا دستور تھا کہ جو نئی کتاب آتی تھی پالی جاتی تھی جب تک کہ وہ نہ پڑھ لیں کتب خانہ میں داخل نہ ہوتی تھی۔ ان کے کتب خانہ کی کتابوں کی بڑی شناخت یہ تھی کہ ان پر کسی نہ کسی جگہ اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا تھا حاشیہ ہو یا کسی لغت کے معنی ہوں یا کسی مسئلہ کی تحقیق ہو۔

---

[1] تفصیلی حالات شخصیات میں ملاحظہ ہوں۔

[2] " " " " " "۔

[3] " " " " " " "۔

Marfat.com

انگریزی زبان سے واقفیت

کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ انگریزی بھی جانتے تھے۔ مگر ان کے کتب خانہ کی انگریزی کتابوں پر بھی کسی لفظ کے معنی لکھے ہوئے ان کے ہاتھ کے پائے جاتے تھے اور نیز بعض اور وجوہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قدر انگریزی آتی تھی کم سے کم یہ کہ بول لیتے اور پڑھ لیتے تھے۔

خواجہ فرید کے رسائل

اُن کے تصنیف کیے ہوئے متعدد چھوٹے چھوٹے رسالے علم ہئیت اور آلات رصد میں تھے جو غدر میں ضائع ہو گئے۔ مگر ان کے تصنیف کئے ہوئے اور اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تین رسالے ایک صنعت اصطرلاب کا دوسرا صنعت پرکار تناسبہ کا اور تیسرا اعمال پرکار تناسبہ کا بعنایت وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر سی۔ آئی۔ ای وزیر اعظم ریاست پٹیالہ ہم کو دستیاب ہوئے ہیں جن کو ہم نے کتب خانہ مدرستہ العلوم میں داخل کر دیا ہے۔ خدا کرے صدہا سال تک اُس کتب خانہ میں محفوظ رہیں۔

بخشی محمود خاں

نواب دبیر الدولہ کی مجلس ایسی مؤدب اور شائستہ ہوتی تھی کہ جس میں جا کر

Marfat.com

ایک عظمت و شان معلوم ہوتی تھی۔ تمام لوگ نہایت ادب اور شائستگی سے خاموش بیٹھے ہوا کرتے تھے۔ کوئی فضول بات، بجز کام کی باتوں کے یا کسی علمی مسئلہ کے اور بعض دفعہ تصوف کے مسائل کے اور کچھ ذکر نہیں ہوتا تھا۔ بخشی الممالک بخشی محمود خاں[1] بھی جو مثل ہزار داستان کے گویا اور نہایت خوش مزاج اور ظریف شخص تھے وہ بھی اُن کی مجلس میں نہایت مؤدب رہتے تھے اور کہتے تھے کہ میں ہندوستان میں نواب دبیرالدولہ کو نہایت ادب کے لائق سمجھتا ہوں مگر ان کے بیٹوں کے ساتھ دوستانہ ملاقات رکھتے تھے اور اکثر آیا کرتے تھے اور ہر وقت ظرافت آمیز باتیں کیا کرتے تھے۔

بخشی محمود خاں ایرانی نژاد تھے۔ ان کی زبان سے ہندوستانی لفظوں کا جس میں ٹ اور ڈ ہوتی تلفظ نہیں ہو سکتا تھا۔ جب بخشی محمود خاں آتے تو اکثر ہم لڑکوں کو جو پوتے اور نواسے نواب دبیرالدولہ کے تھے اور مکتب میں پڑھتے تھے بلواتے اور ٹوپی ٹوپی کی شرط بد کر کسی فارسی لفظ کے تلفظ کی فرمائش کرتے۔ جب وہ پوری طرح پر تلفظ نہ ہوتا تو اُس لڑکے کی ٹوپی لے لیتے لڑکے بھی اُن سے ہندوستانی لفظوں کی فرمائش کرتے۔ ٹو بھر دو تانے ثقیل کا تلفظ ان سے نہیں ہو سکتا تھا ہمیشہ تتو یالتا کہتے تھے۔ لڑکے شرط جیت جاتے اور اُن کی ٹوپی لے لیتے اور جب تک وہ لڑکوں کی ٹوپیاں نہ دیتے لڑکے

---

[1] بخشی محمود خاں، نواب بخت خاں کے عزیزوں میں سے ہے، خوش بیان اور شاہی سوار کا افسر ہے، امامیہ مذہب رکھتا ہے ص۲۹۳ علم و عمل۔

Marfat.com

بھی اُن کی ٹوپی نہ دیتے۔ غرض کہ بخشی محمود خاں نہایت خوش مزاج اور ظریف آدمی تھے۔ بادشاہ کے دربار میں نہایت خوش بیانی سے جھوٹے سچے قصے بیان کرتے تھے۔ جب بادشاہ ان سے ہم کلام ہوتے تھے تو ایسے مصروف ہو جاتے تھے کہ کسی دوسرے کو کلام کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ بااین ہمہ نواب دبیر الدولہ کی مجلس میں نہایت ہی ساکت اور مؤدب رہتے تھے۔

خواجہ فرید کے معمولات

نواب دبیر الدولہ کا معمول تھا کہ صبح کا کھانا محل سرا میں جا کر کھاتے تھے۔ ایک بہت بڑے نعمت خانے میں بہت وسیع دستر خوان بچھا ہوتا تھا اور کل بیٹے اور بیٹیاں اور پوتے اور پوتیاں۔ نواسے اور نواسیاں اور بیٹوں بیویاں اور چھوٹے و بڑے سب اُن کے ساتھ کھاتے تھے۔ چھوٹے بچوں کے آگے خالی رکابیاں ہوتی تھیں اور وہ ہر ایک سے پوچھتے تھے کہ کونسی چیز کھاؤ گے۔ جب وہ بتاتا تو اُس کے آگے خالی رکابی میں اپنے ہاتھ سے وہی چیز چمچہ سے اُٹھا کر بقدر مناسب عنایت فرماتے تھے۔ تمام لڑکے نہایت ادب و صفائی سے ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بڑی احتیاط رہتی تھی کہ کوئی چیز گرنے نہ پاوے اور زیادہ ہاتھ کھانے میں بھرنے نہ پاویں۔ نوالہ چبانے کی آواز منہ سے نکلنے نہ پاوے۔

رات کا کھانا وہ باہر دیوان خانے میں کھاتے تھے۔ زنانہ ہو جاتا تھا۔ اُن کی بڑی بیٹی یعنی راقم کی والدہ اور چھوٹی بیٹی فخر النساء بیگم کھانا کھلاتی جاتی تھیں۔

Marfat.com

یہ بھی دستور تھا کہ شام کو چراغ جلنے کے بعد ان کے پوتے اور نواسے جو مکتب میں پڑھتے تھے۔ سبق سنا لے جاتے تھے۔ اُن کے مسند کے آگے دو سفید رنگ کے شیشے کی فانوسیں جو مردنگیں کہلاتی ہیں موم بتی سے روشن ہوئی رکھی رہتی تھیں اور ان کے سامنے لڑکے بیٹھتے تھے۔ اول مشکل یہ تھی کہ نہایت سفید چاندنی کا فرش بچھا ہوا ہوتا تھا۔ لڑکے اپنے پاؤں نہایت صاف رکھتے تھے۔ اس خوف سے کہ کہیں چاندنی پر دھبہ نہ لگ جاوے۔ اگر اتفاق سے کسی لڑکے کے پاؤں کا دھبہ لگ گیا تو نہایت خفگی سے اس کو بھگا دیتے تھے کہ، کتے کے سے پاؤں کیوں رکھتا ہے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ کپڑے پر کسی قسم کا دھبہ یا روشنائی گری ہوئی نہ ہو۔ اگر اُسی وقت دوسرے سفید کپڑے پہن کر جاتے تو ناراض ہوتے اور کہتے کہ کیا تو چماروں کے سے کپڑے پہنے ہوئے تھا کہ بدل کر آیا ہے۔"

سرسیّد کا سبق

سب لڑکے باری باری سے سبق سُناتے اور جس کا سبق اچھا یاد ہوتا اُس کو کسی قسم کی نفیس مٹھائی اکثر بادام کی خانہ ساز لوزاتیں ملتی تھیں اور جس کو یاد نہ ہوتا تھا اُس کو نہیں دی جاتی تھیں اور جھڑک دیتے تھے۔ نہایت سخت اور خفگی کا لفظ جو ان کی زبان سے کسی کی نسبت نکلتا تھا وہ لفظ، بے پیر تھا۔

راقم جس زمانے میں بوستاں پڑھتا تھا حسب دستور سبق سُنانے

گیا اُس سبق میں یہ شعر بھی تھا ؎

طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی ۔۔۔۔۔ وزاں نیست مرطمعاں راہی

پہلے مصرعہ کا میں نے ترجمہ کیا کہ طمع کے تین حرف تینوں خالی، اُنھوں نے کہا ہوش، میں سمجھا کہ میں نے غلط پڑھا۔ پھر غور کیا، پھر وہی معنی کیے۔ اُنھوں نے پھر ٹوکا۔ تیسری دفعہ بھی وہی معنی کہے۔ وہ خفا ہوئے اور کہا بے پیر سبق یاد نہیں کرتا، کچھ بتایا اور نہ مجھ کو کچھ دیا۔ جس قدر مجھ کو رنج ہوا اور برابر آنسو آنکھوں سے جاری ہوئے وہ اب تک مجھ کو یاد ہے۔ بہت دیر کے بعد میں سمجھا کہ است کے معنی میں نے نہیں کہے تھے۔ ہمارے بھائیوں نے ہم کو اور چڑایا، اور کہا کہ "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد"۔

مُکّا شاہ کے مُرید تھے

نواب دبیر الدولہ درحقیقت حکیم مشرب یا صوفی مذہب تھے۔ کسی زمانہ میں مُکّا شاہ کے جو نہایت معزز چیلے رسول شاہ جی کے تھے مرید ہوئے تھے۔ رسول شاہیوں کے جو مرید تھے اُن کو خواہ مخواہ یہ ضرور نہ تھا کہ تجرد اختیار کریں اور ڈاڑھی مونچھ کا صفایا کردیں بلکہ وہ بھی اُن کے مریدوں میں داخل تھے جو تاہل کرتے تھے اور دنیا دار کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی حال نواب دبیر الدولہ کا تھا۔ مگر دو برس قبل اپنی وفات کے ان کو خیال ہوا کہ ایک دفعہ تو اپنے مرشد کے طریقے میں پورے طور پر داخل ہونا چاہیے۔

Marfat.com

چار ابرو کا صفایا کردیا

حجام جو حاضر ہوا اُس سے کہا کہ ڈاڑھی مونچھ کا صفایا کر دینے اُس نے اُس نورانی اور نہایت خوب صورت داڑھی اور مونچھوں کو مونڈ دیا شہر میں اُس کا بڑا چرچا ہوا اور لوگوں نے نہایت تعجب کیا مگر ان کو اس کی پروا نہ تھی۔ ایک دفعہ کے سوا پھر ڈاڑھی مونچھ کا صفایا نہیں کیا۔ اور جب انتقال ہوا ہے تو داڑھی کسی قدر بڑی ہو گئی تھی۔

لالہ ملوک چند

نواب دبیر الدولہ کے ذکر کے ساتھ ان کے نہایت قدیم اور پرانے دیوان لالہ ملوک چند کا ذکر نہ کرنا نہایت ناانصافی ہوگی۔ یہ اُن کے بہت قدیم دیوان تھے اور نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ تھے۔ نواب دبیر الدولہ کے مزاج میں بھی کسی قدر دخل تھا اور وقت بے وقت ہر ایک بات عرض کر سکتے تھے۔ نواب ممدوح بھی اُن کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ قبل انتقال جب نواب صاحب نے اپنی جایداد تقسیم کی تو جس قدر روپیہ اپنے بھائیوں کو دیا اُسی قدر اس قدیم ملازم کو بھی دیا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد لالہ ملوک چند تا روز مرگ نواب زین العابدین خاں کے ملازم رہے۔ باوجودے کہ اُن کے بیٹوں کو بہت عروج ہو گیا تھا مگر انھوں نے اپنی قدیم ملازمت کو نہیں چھوڑا تھا۔

Marfat.com

خواجہ وحید الدین

دبیر الدولہ کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام خواجہ وحید الدین احمد اور چھوٹے کا نام خواجہ زین العابدین خاں تھا۔ جب مرزا جہانگیر کا الہ آباد میں انتقال ہوا اور وہ زمانہ نواب دبیر الدولہ کی وزارت کا تھا تو مرزا جہانگیر کی لاش الہ آباد سے دلی میں لانے کو خواجہ وحید الدین احمد تجویز ہوئے۔ وہ الہ آباد گئے اور مرزا جہانگیر کی لاش وہاں سے لے آئے اور متصل مرزا حضرت سلطان نظام الدین مدفون ہوئے۔

اس وجہ سے نواب ممتاز محل کو وحید الدین احمد خاں پر حد سے زیادہ مہربانی ہو گئی۔ اور کہا کرتی تھیں کہ "وحید الدین خاں کو مرزا جہانگیر کے برابر سمجھتی ہوں۔ اور مرزا تیمور شاہ جو ایک صغیر سن بیٹے مرزا جہانگیر کے تھے اُن کی گود میں دیا اور مرزا تیمور شاہ کی سرکار بجائے مرزا جہانگیر کی سرکار کے نہایت شان و شوکت سے قائم ہوئی اور وحید الدین خاں اُس کے مختار کل مقرر ہو اور مختار الدولہ کا ان کو خطاب ہوا۔ یہ واقعہ ۱۲۳۸ھ ہجری مطابق ۱۸۲۲ء کا ہے۔ مگر اُس وقت نواب دبیر الدولہ بدستور وزیر تھے۔

اُس کے بعد نواب دبیر الدولہ نے استعفا دیا اور بہت سے انقلابات سرکار بادشاہی میں ہوئے۔ مگر جو عروج اور رسوخ نواب مختار الدولہ کو سرکار تیمور شاہ اور نواب ممتاز محل میں تھا اُس میں کچھ فرق نہیں ہوا۔ نواب ممتاز محل کے انتقال کے برس ڈیڑھ برس پہلے کسی بات سے ناراض ہو کر لکھنؤ چلے گئے

Marfat.com

جب کہ نواب علی نقی خاں نائب تھے۔ چند سال وہاں بھی نہایت عروج سے رہے پھر وہاں سے واپس آئے اور دلی میں رہنے لگے۔ جب غدر ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی فتح ہوئی تو چیلوں کے کوچہ میں بعض لوگوں نے فوج انگریزی سے کچھ فساد کیا۔ سپاہی مکان میں گھس پڑے اور نواب مختار الدولہ کے مکان میں بھی جس کا ایک دروازہ چیلوں کے کوچہ کی طرف تھا گھس آئے۔ اس وقت نواب وحید الدین خاں جو ضعیف ہو گئے تھے نماز عصر پڑھ رہے تھے۔ کسی سپاہی نے عین نماز کی حالت میں ان کے گولی ماری اور ان کا انتقال ہو گیا۔

خواجہ زین العابدین

خواجہ زین العابدین احمد ان کے چھوٹے بیٹے نے اپنی تمام زندگی نہایت خوبی اور امیری سے بسر کی اپنے والد کے مرنے کے بعد انھوں نے اپنے والد کا خطاب حاصل کرنے کی کچھ پروانہ کی مگر ۱۲۶۳ھ ہجری مطابق ۱۸۴۶ء کے بہادر شاہ نے ان کو دبیر الدولہ خواجہ زین العابدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ کا خطاب عطا کیا اور قبل غدر ۲۲ر اکتوبر ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۳ھ کے اُن کا انتقال ہوا۔

اُن کی زندگی عجیب مختلف شوقوں میں بسر ہوئی۔ زمانۂ تعلیم کے گزرنے اور اپنے باپ سے علم ہیئت اور ریاضیات کو پورے طور پر پڑھنے کے بعد اُن کو گانے اور بین بجانے کا شوق ہوا اور یہ شوق کسی نہ کسی قدر آخیر عمر تک رہا۔

Marfat.com

بین جو ایک نہایت عجیب اور عمدہ باجا ہندوستان کا ہے اُس کو خود اپنے ہاتھ سے بناتے تھے اور اُس کے تونبوں اور ٹھاٹھ میں ایسی ایجادیں کیں تھیں کہ لوگ متعجب ہو گئے تھے۔ ٹھاٹ کے پردوں کے مقامات کی جن سے سُر پیدا ہوتے ہیں ہندسی قاعدہ سے نسبتیں نکالی تھیں اور انھیں نسبتوں سے ڈنڈی کو تقسیم کرکے پردے سے بٹھا دیتے تھے۔

بین میں ٹھاٹ کے پردے موم سے جمائے جاتے تھے۔ جب اُنھوں نے اس کی نسبتیں نکالیں تو پیتل کی کمانیوں سے اُن کو مقامات معین پر کس دیتے تھے۔ یہ ایک ایسی ایجاد تھی کہ اگر یورپ کے کسی باجے میں اس قسم کی ایجاد ہوتی تو شاید ہمیشہ کو اس کا یہ کمال یاد رہتا۔ ایک زمانہ ایسا آتا تھا کہ اُن کو بجز ان چیزوں کے شغل کے اور طرف توجہ نہیں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے نامی گویے دھرپت و خیال گانے والے نوکر ہیں۔ بینیں تیار ہو رہی ہیں۔ میر ناصر احمد جو مشہور بین بجانے والے ہمت خاں اور راگ رس خاں کے نواسوں میں تھے۔ مگر ان کے باپ نہایت صحیح النسب سید تھے وہ آتے ہیں اور بین بجتے ہیں اور بین بجانے کے فن کے کمال کو دکھایا جاتا ہے۔

اُس زمانے کی بعض مجلسیں بھی قابل یادگار ہیں خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے جانشین ہر مہینے کی چوبیسویں کو رات کے وقت ایک جلسہ درویشانہ کیا کرتے تھے۔ اُس میں بڑے بڑے گویے آتے تھے۔ دھرپت و خیال گاتے تھے اور میر ناصر احمد بین بجاتے تھے۔ نواب

Marfat.com

زین العابدین خاں ہمیشہ جاتے تھے۔ راقم بھی بہت دفعہ ان کے ساتھ اُن جلسوں میں گیا ہے۔ خواجہ محمد نصیر صاحب جو نہایت بزرگ و مقدس تھے اُس زمانہ میں سجادہ نشین تھے۔

اور ایک جلسہ مگر اس جلسہ سے مختلف قسم کا ہر مہینے کی سترھویں کو ہوا کرتا تھا۔ رائے پران کشن ایک معزز رئیس اور نہایت ہی وضع دار اور دولت مند تھے اور اُسی زمانہ میں ایک طوائف جو نہایت خوش آواز اور دھرپت و خیال گانے اور بین بجانے میں بے مثل تھی اُس کا نام جنّا تھا۔ اُس نے اپنا تمام پیشہ چھوڑ دیا تھا اور رائے پران اور کشن کے گھر میں پڑ گئی تھی۔ اس کی خاطر سے وہ ہر مہینہ کی سترھویں کو ایک جلسہ کیا کرتے تھے۔

مکان نہایت عمدہ فرش و فروش سے آراستہ ہوتا تھا۔ شیشہ آلات سے جو اُس زمانہ میں مروج تھے بہت ہی عمدگی اور خوب صورتی سے سجایا جاتا تھا۔ شہر کے رئیس خصوصاً وہ جنسے رائے پران کشن سے دوستی تھی بلائے جاتے تھے۔ بڑے بڑے گویے اور بہادر خاں ستارن جو ستار بجانے میں بے مثل تھا اور میر ناصر احمد جو بین بجانے میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے سب جمع ہوتے تھے۔

بی جنّا کے لئے صدر کے مقابل بائیں سمت میں مسند تکیہ لگتا تھا اور لوگ اُن کے آنے کا انتظار کرتے تھے۔ جب وہ کوٹھے پر سے اُتر تیں اور اُن کے پاؤں کے زیور کی آواز آتی تو لوگ زیادہ مشتاق ہوتے تھے۔ وہ

Marfat.com

نہایت متانت اور غرور سے آکر مسند پر بیٹھتی تھیں۔ اوّل دھرپت دخیال گاتی تھیں اور اوپھر بین بجاتی تھیں اور پھر اُٹھ کر کوٹھے پر چلی جاتی تھیں۔ لوگ اُن کے گانے بجانے کی نہایت تعریف کرتے تھے۔ نواب زین العابدین خاں ہمیشہ اس جلسہ میں جاتے تھے راقم بھی متعدد دفعہ اُن کے ساتھ ان جلسوں میں گیا ہے۔

کبھی اُن کو فن ریاضی سے شوق ہوتا تھا۔ دن رات بجز آلات رصد کے بنانے اور کواکب کے رصد کرنے کے اور کوئی شغل نہ تھا۔ جو کہ خود بہت بڑے دستکار تھے۔ تمام آلات رصد اپنے ہاتھ سے بناتے تھے۔ نہایت بڑے قطر کا برنجی کرہ اور برنجی اصطرلاب اپنے ہاتھ سے ایسا عمدہ بنایا تھا جو عجائب روزگار سے تھا۔

اس کے سوا بہت سے آلات مثل ذات الحلقین اور ذات الحلق۔ ربع مجیب۔ ربع مقنطر۔ جریب الساعۃ۔ مقیاس الساعۃ افقی و افاقی۔ پرکار تقسیم۔ پرکار متناسبہ۔ اور اسی طرح جر ثقیل کے آلات اور آلات رصد برجندی کے تمام نمونے خود ان کے ہاتھ کے بنائے ہوئے تھے اُن کا وہ کمرہ جس میں یہ آلات رکھے جاتے تھے ایک رصد خانہ معلوم ہوتا تھا۔

کسی زمانہ میں اُن کو پتنگ بازی کا شوق ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں بجز اس کے اور کسی چیز کا چرچا نہ رہتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے پتنگ بنانے کو بھی اُنھوں نے ایک علمی چیز کر دیا تھا۔ اور ایک رسالہ صنعت پتنگ میں لکھا تھا اور اقلیدس کی طرح اُس کی شکلیں اور اُس کی

Marfat.com

نسبتیں قائم کی تھیں اور اُن کی ہر ایک قسم کی خاصیتیں لکھی تھیں کہ فلاں قسم کا پتنگ اتنی دور جا کر یہ کام کرے گا اور فلاں قسم کا وہ کام کرے گا مگر افسوس ہے کہ وہ رسالہ غدر میں ضائع ہو گیا۔

کسی زمانہ میں اُن کو تیراندازی کا شوق ہوتا تو بجز تیراندازی اور کمانوں اور تیروں کے بننے اور سہ پہر کو تیراندازی کے جلسوں کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ مگر وہ جلسے ایسے نہیں ہیں جن کی خوبی اور عمدگی اور شان کو اور اُن امرا اور سلاطین کے تزک کو جو تیراندازی کے جلسوں میں آتے تھے بیان کیا جا سکے۔

تیراندازی کا فن اُنھوں نے سید محمد متقی خاں راقم کے والد سے جو اس فن میں بے نظیر تھے سیکھا تھا اور اس میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ خود اپنے ہاتھ سے کمانیں اور ہر قسم کے تیر بناتے تھے اُن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی کمانیں کشمیر کی بنی ہوئی کمانوں سے زیادہ عمدہ سمجھی جاتی تھیں۔ بڑی خوبی اُن کمانوں میں یہ تھی کہ برسات میں رخ نہ کرتی تھیں۔ تیراندازی کے لیے گھر میں تو وہ تیار رہتا تھا اور تیسرے پہر کو شہر کے اکثر امرا اور رئیس اور بعض سلاطین جمع ہوتے تھے اور نہایت نفیس جلسہ ہر روز ہوا کرتا تھا اور جو صنعت اور خوبی تیراندازی کی ظاہر ہوتی تھی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اُس زمانہ میں آیا سنگھ ایک تیرانداز تھا جو نہایت کڑی کمان کھینچتا تھا۔ مگر جب اُن لوگوں کا جو اُس سے نرم کمان کھینچتے تھے۔ تیر زیادہ تودہ میں کارگر ہوتا تھا تو بڑا لطف ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں ایک پیر مرد

Marfat.com

مسلمان تھے۔ اُن کو تیراندازی کا بڑا شوق تھا۔ میر الا اللہ ان کا نام پڑ گیا تھا۔ کیوں کہ وہ تیر لگاتے وقت الا اللہ کہا کرتے تھے۔ وہ غریب آدمی تھے۔ سامان تیراندازی کا اُن کو نواب زین العابدین خاں دیتے تھے۔ وہ تیر لگانا بھی اچھا نہیں جانتے تھے۔ مگر تیراندازی کی مجلس میں وہ سب لوگوں کو ہنسانے اور خوش کرنے والے تھے۔ ایک ذی عزت ہندو مرصع ساز کو بھی تیراندازی کا بہت شوق تھا۔ اور تیر لگاتے وقت اللہ غنی کہتا تھا۔ اُس کا نام 'اللہ غنی' ہی پڑ گیا تھا۔ ان باتوں کے لکھنے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو کہ اُس زمانہ میں کیسی عمدہ صحبتیں تھیں۔ اب وہ سب خواب وخیال ہیں۔

آخر میں ان سب چیزوں کا شوق نہیں رہا تھا۔ کبھی کبھی کسی کو اور خصوصاً خواجہ ہاشم علی خاں[1] اپنے بیٹے کو جو بے مثل ذہین اور لائق اور نیکی اور سعادت مندی میں فرشتہ خصلت تھے ریاضیات میں سے کسی کتاب کا سبق پڑھا دیتے تھے۔

خواجہ فرید کی اولاد اناث

خواجہ فریدالدین احمد کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک عزیز النساء بیگم

---

[1] خواجہ ہاشم علی خاں کے متعلق، سرسید کے سوانح نگار گراہم نے لکھا ہے کہ وہ انگریزوں کے اُسی قدر وفادار تھے جتنے خود سرسید۔ حیات جاوید۔

Marfat.com

والدۂ راقم کی دوسری فاطمہ بیگم اور تیسری فخرالنسا بیگم۔

والدۂ سرسید

عزیز النسا بیگم نہایت لائق ذہین۔ قدرتی نہایت عالی دماغ تھیں۔ وہ صرف قرآن مجید پڑھی ہوئی تھیں اور کسی زمانہ میں فارسی کی بھی کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں میں نے خود گلستان کے چند سبق اُن سے پڑھے ہیں اور اکثر ابتدائی فارسی کتابوں کے سبق ان کو سنائے ہیں۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ جب میں اُن کو سبق سُناتا یا نئے سبق کا مطالعہ اُن کے پاس بیٹھ کر دیکھتا تو وہ سوت کی گوندھی ہوئی تین لڑیں ایک لکڑی میں بندھی ہوئی میری تنبیہ کو اپنے پاس رکھ لیتی تھیں۔ اگرچہ وہ خفا تو کئی دفعہ ہوئی ہوں گی۔ مگر ان سُوت کی لڑوں سے مجھے کبھی مار نہیں پڑی۔

اُن کی تعلیم اور اُن کی نصیحتیں نہایت ہی حکیمانہ اور دل پر اثر کرنے والی تھیں۔ مجھ کو یاد ہے۔ کہ ایک شخص نے جس کے ساتھ میں نے نیکی کی تھی۔ میرے ساتھ نہایت بدی کی اور تمام وجہ ثبوت جس سے اُس کو فوجداری عدالت سے کافی سزا مل سکتی تھی میرے ہاتھ آگئی میرے نفس نے مجھ کو بھکایا اور انتقام لینے پر آمادہ کیا۔ میری والدہ نے یہ خبر سن کر مجھ سے کہا۔ کہ اگر تم اس کو معاف کرو تو اس سے عمدہ کوئی کام نہیں ہے۔ اگر تم کو اُس کی بدی کی حاکم سے سزا دلوانی ہے تو نہایت نادانی ہے کہ اس قوی اور زبردست احکم الحاکمین کے چنگل سے جو ہر ایک کے اعمال

Marfat.com

کی سزا دینے والا ہے اپنے دشمن کو چھوڑ کر ضعیف و ناتوان دنیا کے حاکموں کے
ہاتھ ڈالنا چاہو پس اگر دشمنی اور انتقام ہی منظور ہے تو قوی حاکم کے
ہاتھ میں اُس کو رہنے دو۔ اس نصیحت کا میرے دل پر ایسا اثر ہے کہ کبھی دور
نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا۔ اور جیسے میرے دل میں کسی شخص سے گو اُس نے
میرے ساتھ کیسی ہی دشمنی کی ہو انتقام لینے کا خیال تک نہیں آیا۔ بلکہ اُن کی
نصیحت پر غور کرنے سے میرے دل میں یہ بات پیدا ہوگئی ہے کہ اب میں
یہ بھی نہیں چاہتا کہ آخرت میں خدا بھی اُس سے میرا بدلہ لے۔

جس زمانہ میں میری عمر گیارہ بارہ برس کی تھی میں نے ایک نوکر کو
جو بہت پُرانا اور بڈھا تھا کسی بات پر تھپڑ مارا۔ جس وقت میری والدہ کو خبر
ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد میں گھر میں گیا تو میری والدہ نے ناراض
ہو کر کہا "اس کو گھر سے نکال دو جہاں اس کا دل چاہے چلا جاوے۔
یہ گھر میں رہنے کے لائق نہیں رہا، چنانچہ ایک ماما میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے
باہر لے گئی اور باہر سڑک پر چھوڑ دیا۔ اُسی وقت ایک ماما دوسرے گھر
سے یعنی میری خالہ کے گھر سے جو قریب تھا نکلی اور مجھ کو میری خالہ کے
گھر میں لے گئی۔ میری خالہ نے کہا کہ "دیکھو تمھاری والدہ تم سے
کس قدر ناراض اور غصہ ہیں اور اس سبب سے جو تم کو گھر میں رکھےگا
اُس سے بھی خفا ہوں گی۔ مگر میں تم کو چھپا رکھتی ہوں" اور کوٹھے پر کے
ایک مکان میں مجھ کو چھپا دیا۔ تین دن تک میں اُس کوٹھے پر چھپا رہا۔ میری
خالہ میرے سامنے نوکروں اور میری بہنوں کو کہتی تھیں کہ "دیکھنا آپا جی

Marfat.com

یعنی میری والدہ کو خبر نہ ہو کہ یہاں چھپے ہوئے ہیں"۔ تین دن کے بعد میری خالہ جن کو میں آپا جان کہا کرتا تھا، میری والدہ کے پاس قصور معاف کرانے کے واسطے لے گئیں۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر اُس نوکر سے قصور معاف کرائے تو میں معاف کردوں گی۔ وہ نوکر ڈیوڑھی پر بُلایا گیا۔ میں نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑے جب تقصیر معاف ہوئی۔ بلاشبہ ایک اچھی ماں ہزار اُستادوں سے بہتر ہے۔

اُن کی خاص عادتوں میں سے ایک یہ امر تھا کہ لاوارث بڑھیا عورتوں کی ہمیشہ خبر گیری کرتی تھیں۔ زنانہ مکان کے باہر بطور جلوخانہ کے ایک میدان تھا اور اس کے ایک طرف متعدد کوٹھریاں اور یک درے ملازموں کے رہنے کے لئے بنے ہوئے تھے۔ غریب اور لاوارث بڑھیا عورتوں کو اُس میں رکھتی تھیں۔ منجملہ اُن کے ایک لاوارث بڑھیا مسماۃ زیبا تھی۔ اتفاق سے ایک زمانہ میں میری والدہ بھی بیمار ہوئیں اور زیبا بھی بیمار ہوئی بیماری بھی قریب ایک ہی تھی۔ جو دوا اُن کے لئے تیار ہوتی تھی اُسی میں سے زیبا کو پلاتی تھیں۔ دونوں کو صحت ہوگئی۔ مگر حکیم معالج نے میری والدہ کے لئے ایک نسخہ معجون کا جو قیمتی تھا تجویز کیا۔ جس قدر تیار ہوا وہ مقدار میں ایک ہی شخص کے لئے چند روز تک کھانے کے لائق تھا۔ میں اُس زمانہ میں دلی میں منصف تھا۔ میں اُس معجون کو تیار کرکے لے گیا اور کہا کہ یہ اتنے دنوں کی خوراک ہے اس کو استعمال فرمائیے۔ اُنھوں نے اُس کو لے لیا اور اس خیال سے کہ وہ معجون زیبا کے لئے بھی ایسی مفید ہوگی جیسی کہ مجھ کو اور اُن کو یقین نہ تھا کہ زیبا کے لئے

Marfat.com

بھی ایسی معجون تیار کر دی جاوے، گی۔ اس لئے خود اُنھوں نے اُس معجون کو نہیں کھایا اور خفیہ خفیہ زیبا کو کھلایا اور اس معجون سے زیبا کی صحت میں بہت ترقی ہوئی اُسی کے ساتھ اُن کی صحت میں بھی زیادہ ترقی ہو گئی۔ چند روز بعد میں نے اُن سے کہا کہ اُس معجون نے آپ کو بہت فائدہ کیا۔ وہ ہنسیں اور کہا "تمھارے نزدیک بغیر دوا کے خدا صحت نہیں دیتا!" میں متعجب ہوا اُس وقت معلوم ہوا کہ وہ معجون اُن کے عوض زیبا نے کھائی اور خدا نے دونوں کو صحت عطا کی۔ ایک کو بحیلہ دوا کے اور ایک کو محض اپنے فضل و کرم سے۔

اُن کا دستور تھا کہ جو کچھ گھر میں آتا روپیہ پیسہ۔ گانوں کا یا ملکوں کا غلہ مکانوں کا کرایہ۔ تنخواہ قلعہ کی۔ باغوں کا میوہ سب میں سے بحساب پانچ فی صدی کے خدا کے نام پر علیحدہ کر دیتی تھیں۔ اپنی بہنوں اور بھانجیوں پر بھی تاکید کی تھی کہ اسی طرح پانچ فی صدی کے حساب سے خدا کی راہ پر دیا کریں اور جس قدر روپیہ اس طرح پر جمع ہوتا اُس کو نہایت عمدگی اور خوبی اور ایک انتظام سے خیرات میں صرف کرتیں۔

اس طرح پر ان کے پاس ایک معقول سرمایہ جمع ہو جاتا تھا۔ اور اُس میں سے غریب پردہ نشین عورتوں کی جو معاش سے تنگ ہوتیں امداد کرتیں۔ غریب عورتوں کی جوان لڑکیوں کے نکاح کو دیتی تھیں اور اس طرح پر بہت سی جوان لڑکیوں کا ان کی امداد سے نکاح ہوا ہے۔ نوکری پیشہ یا غریب اور مفلس خاندانوں کی جوان لڑکیاں جو بیوہ ہو جاتی تھیں اُن کا دوسرا عقد کر دینے کی نصیحت کرتیں اور اُن کے

Marfat.com

نکاح کردینے کو روپئے سے امداد کرتیں۔ وہ عموماً لوگوں کو سمجھاتیں کہ نکاح ثانی نہ کرنا دوسری چیز ہے مگر نکاح ثانی کو معیوب سمجھنا یا جس نے نکاح ثانی کیا ہے اس کو حقیر و ذلیل سمجھنا سخت گناہ ہے۔

غریب رشتہ داروں کے گھر میں جاتیں اور خفیہ طور پر کسی حیلہ سے اُن کی امداد کرتیں۔ بعض رشتہ دار ایسے بھی تھے کہ اُنھوں نے ایسی عورتوں سے شادی کرلی تھی جن سے ملنا معیوب سمجھتے تھے۔ مگر ان کا قول تھا کہ خدا کے حکم سے صلہ رحم سب پر مقدم ہے۔ وہ خود اُن کے گھر جاتیں اور اُن کی اولاد کے ساتھ شفقت سے پیش آتیں اور اُن کے ساتھ سلوک کرتیں۔

اُن کو ہر ایک بات میں خدا پر بہت توکل تھا وہ یہ کہا کرتی تھیں کہ "دُکھ بیماری میں علاج کرنا۔ دوا دینا صرف ایک حیلہ ہے۔ شفا دینے والا خدا ہے۔ اگر دوا اور حکیموں کے علاج سے لوگ مرا نہ کرتے تو سب لوگ خدا کو بھول جاتے" وہ کہتی تھیں کہ "اگر سیتلا کے پوجنے سے لڑکیاں لڑکے سیتلا کی بیماری سے نہ مرتے تو تمام دنیا بجز اُن کے جن کو خدا بچاتا کافر ہو جاتی"۔

کبھی کوئی منت و نذر نیاز کسی امر کے لئے اُنھوں نے نہیں مانی۔ گنڈے تعویذ پر اور تاریخوں یا دنوں کی سعادت و نحوست پر اُن کو مطلق اعتقاد نہ تھا۔ لیکن اگر کوئی کرتا تو اس کو منع نہ کرتیں اور کہتیں کہ اگر اُن لوگوں کو اس سے منع کیا جاوے اور نہ کرنے دیا جاوے اور اتفاق سے وہ امر پیش آجاوے جس کے خوف سے وہ گنڈہ تعویذ کرتے ہیں یا سعادت ونحوست دیکھتے ہیں تو ان کے ایمان میں زیادہ خلل آجاوے گا اور وہ

Marfat.com

یقین کریں گے کہ ایسا نہ کرنے سے یہ ہوا اور اگر ایسا کیا جاتا تو یہ نہ ہوتا۔ اُن کا قول تھا کہ "ہر بات کے لئے صرف خدا سے دعا کی جاوے پھر وہ جو چاہے گا وہ کرے گا۔

وہ کہتی تھیں کہ "مصیبتیں جو انسانوں پر پڑتی ہیں اُس میں بھی خدا کی کچھ حکمت ہوتی ہے۔ مگر بندے اُس حکمت کو نہیں سمجھ سکتے۔"

میری ننھیال کو شاہ عبدالعزیز سے اور ان کے خاندان سے بہت عقیدت تھی، مگر میری والدہ کو حضرت شاہ غلام علی سے بیعت و عقیدت تھی اور شاہ صاحب کے ہاں اس قسم کی باتوں کا پتہ بھی نہ تھا۔ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی ان کے پاس کوئی حاجت لے جاتا تو وہ اُسی وقت ہاتھ اُٹھاتے اور سب حاضرین سے کہتے کہ "دعا کرو کہ خدا اُس کی آرزو پوری کرے"۔ یہی عقیدہ میری والدہ کو بھی مستحکم تھا۔

میری ننھیال کے بعض لوگ توہمات میں مبتلا تھے اور شاہ عبدالعزیز کے ہاں جو کچھ ہوتا تھا اس پر اعتقاد رکھتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کے بزرگ لڑکوں کو بعض بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایک گنڈہ دیا کرتے تھے جس میں ایک تعویذ ہوتا تھا اور اُس تعویذ میں ایک حرف یا ہندسہ سفید مرغ کو ذبح کرکے اس کے خون سے لکھا جاتا تھا اور جس لڑکے کو پہنایا جاتا بارہ برس کی عمر تک انڈا یا مرغی کھانے کا اس کو امتناع ہوتا تھا۔

سید حامد اور سید محمود میرے دونوں بیٹوں کو بھی ان کی ننھیال والوں نے وہ گنڈہ پہنایا۔ مگر میری والدہ کو یہ خیال تھا کہ اس گنڈہ کے سبب سے

Marfat.com

انڈا یا مرغی نہ کھانا اور یہ سمجھنا کہ اگر کھاویں گے تو کوئی آفت آوے گی خدا پر ایمان رکھنے کے برخلاف ہے۔ وہ ان دونوں لڑکوں کو جب کبھی وہ اُن کے ساتھ کھاتے اور کوئی ایسی چیز بھی موجود ہوتی جس میں انڈا پڑا ہو یا مرغی کا سالن یا مُرغ پلاؤ ہوتا تو بے تامل ان کو کھلا دیتیں۔ وہ لڑکے پراٹھے اور انڈا پسند کرتے تھے۔ بے تامل ان کو پکوا کر کھلا دیتی تھیں۔

میں جب دلّی میں منصف تھا تو میری والدہ مجھکو نصیحت کرتی تھیں کہ "جہاں جہاں تم جانا لازمی سمجھتے ہو اور ہر حالت میں تم کو وہاں جانا لازمی ہوگا تو تم وہاں کبھی سواری پر جایا کرو کبھی پیادہ پا۔ زمانہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کبھی کچھ ہے اور کبھی کچھ۔ پس ایسی عادت رکھو کہ ہر حالت میں اُس کو نباہ سکو" چنانچہ میں نے جامع مسجد اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں جانے کا یہی طریقہ اختیار کیا تھا کہ اکثر دونوں جگہ پیدل جاتا تھا اور کبھی سواری پر۔

میرے بھائی سید محمد خاں اور حکیم غلام نجف صاحب سے بہت دوستی تھی۔ آپس میں بھائی بھائی کہتے تھے۔ میں بھی اُن کو بڑے بھائی کی برابر سمجھتا تھا۔ سید محمد خاں کے انتقال کے بعد جب میں دہلی میں منصف ہوکر آیا تو میں اُسی طرح حکیم غلام نجف صاحب سے ملتا تھا ہفتہ میں دو روز اُن کے پاس جاتا تھا اور وہ بھی وقت معین میں میرے پاس آتے تھے۔ اتفاقاً حکیم غلام نجف صاحب کچھ ناراض ہوگئے۔ میں بدستور اُن کے پاس جاتا رہا اور ملتا رہا۔ مگر اُنھوں نے آنا چھوڑ دیا۔ بہت دنوں تک میں نے اس کا

Marfat.com

کچھ خیال نہ کیا۔ آخر کو میں نے بھی اُن کے ہاں جانا بہت کم کر دیا۔ ایک دفعہ میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ "میں سمجھتی ہوں کہ تم اب حکیم غلام نجف کے پاس بہت کم جاتے ہو اس کا کیا سبب ہے"۔ میں نے جو بات تھی وہ کہی۔ اُنھوں نے کہا "نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو تم اچھا نہیں سمجھتے وہی بات تم بھی کرتے ہو۔ جہاں دوستی ہے اُس کا پورا کرنا چاہئے۔ یہ تمھارا فرض ہے اور اُس دوست کو دوستی کا پورا برتاؤ کرنا اُس کا فرض ہے تم دوسرے شخص کے فرض کے ادا کرنے کے کیوں ذمہ دار ہوتے ہو۔ تم کو بدستور ملنا اور اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔ اس سے تم کو کیا کہ دوسرا بھی اپنا فرض ادا کرتا ہے یا نہیں"۔

اس زمانہ میں کہ میرے خیالات مذہبی محققانہ اصول پر ہیں اس وقت بھی میں اپنی والدہ کے عقائد میں کوئی ایسا عقیدہ جس پر کسی قسم کے شرک یا بدعت کا اطلاق ہو سکے نہیں پاتا بجز ایک عقیدہ کے کہ وہ سمجھتی تھیں کہ عبادت بدنی یعنی قرآن مجید پڑھ کر بخشنے کا یا فاتحہ دے کر کھانا تقسیم کرنے کا ثواب مُردے کو پہنچتا ہے۔

میں ان دونوں باتوں کا قائل نہیں ہوں۔ عبادت بدنی میں تو میں نیابت کا قائل نہیں ہوں اور عبادت مالی میں بھی بجز اُس صورت کے کہ متوفی اپنی زندگی میں کچھ مال کسی کار خیر کے لئے کسی کے سپرد کر جاوے نیابت کا قائل نہیں ہوں۔ تعجب ہے۔ کہ میرا عقیدہ اس زمانہ کے وہابیوں یا اہل حدیث سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیوں کہ گو وہ عبادت بدنی کے ثواب پہنچنے میں

Marfat.com

مختلف ہیں مگر ہر حالت ہیں عبادت مالی کے ثواب پہنچنے میں سب کو اتفاق ہے۔
ایک امر جو نہایت صبر و استقلال کا اُن سے ظہور میں آیا وہ نہایت ہی عجیب ہے اور بہت کم اُس کی نظیر مل سکتی ہے۔ سید محمد خان اُن کے بڑے بیٹے نے سینتیس ۳۷ اڑتیس ۳۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ میری والدہ اور تمام لوگ چھوٹے بڑے ان کے زمانۂ بیماری ہیں بیمار داری اور علاج معالجہ میں مصروف تھے۔ میری والدہ ہر وقت اُن کے پاس بیٹھی رہتی تھیں قریب ایک مہینہ کے وہ بیمار رہے۔ آخر کار ایک دن صبح کے وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ سب لوگ گریہ وزاری کرنے لگے۔ جو رنج و غم اُن کو ہوا ہوگا ظاہر ہے کہ اُس سے زیادہ کسی کو نہ ہوا ہوگا۔ بے اختیار اُن کی آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے۔ لیکن اُسی حالت میں اُنھوں نے کہا کہ: خدا کی مرضی یہ ہے۔ اور وضو کر کے صبح کی نماز پڑھنے لگیں اور اشراق تک مصلے پر سے نہیں اُٹھیں۔ میں اُس زمانہ میں فتح پور سیکری میں منصف تھا۔ اس کے بعد میں نے دہلی میں اپنی تبدیلی کرالی۔

اتفاق سے بعض رشتہ داروں کی ایک بیٹی (دختر) کی شادی اُسی زمانہ میں قرار پا چکی تھی اور صرف چار دن شادی کے باقی رہے تھے۔ اور وہ تمام سامان شادی کا کر چکی تھیں کہ سید محمد خاں کا انتقال ہو گیا اور جیسا کہ دستور ہے اُن لوگوں نے اُس لڑکی کی شادی کو ملتوی کرنا چاہا۔ میری والدہ تیسرے دن اپنے بڑے بیٹے کے انتقال کے اور ایسے سخت صدمہ کی حالت میں خود اُن رشتہ دار کے گھر میں گئیں اور

Marfat.com

کہا کہ "میں تمھاری بیٹی کی شادی میں آئی ہوں۔ تین دن سے زیادہ ماتم رکھنے کا حکم نہیں ہے۔ شادی کے ملتوی کرنے سے ملتوی کرنے سے تمھارا بڑا نقصان ہوگا اور جو امر کہ خدا کو منظور تھا وہ ہو چکا۔ تم ہرگز شادی کو ملتوی مت کرو۔ اور جبکہ میں خود تمھارے گھر میں آئی ہوں اور شادی کی اجازت دیتی ہوں تو اور کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔

اگر لوگ ان باتوں پر غور کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ میری والدہ کیسی عالی خیال۔ اور نیک صفات اور عمدہ اخلاق دانشمند اور دور اندیش۔ فرشتہ صفت بی بی تھیں اور ایسی ماں کا ایک بیٹے پر جس کی اُس نے تربیت کی ہو کیا اثر پڑتا ہے۔

وہ مجھ کو نصیحت کرتی تھیں کہ "اگر کسی نے ایک دفعہ تمھارے ساتھ نیکی کی ہو اور پھر بُرائی کرے۔ یا دو دفعہ نیکی کی ہو اور دو دفعہ برائی کرے تو تم کو آزردہ نہ ہونا چاہیئے کیوں کہ ایک یا دو دفعہ کی بُرائی برابر ہوگئی۔ مگر نیکی ایسی چیز ہے کہ اُس کے بعد نیکی کرنے والا کیسی ہی بُرائی کرے اُس کی نیکی کے احسان کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

مگر افسوس ہے کہ ایسی نیک بی بی کو آخر عمر میں تکلیف پہنچی جس زمانہ میں غدر ہوا میں بجنور میں صدر امین تھا اور میری والدہ اور گھر کے لوگ اور بچے اور سب عزیز و اقارب دہلی میں۔

وہ زمانۂ غدر میں لوگوں سے کہتی تھیں کہ "انگریز تھوڑے دنوں میں پھر آجاویں گے۔ تم سب خاموش اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ جو لوگ

Marfat.com

فساد میں شریک نہ ہوں گے انگریز ان کو کچھ نہیں کہنے کے۔

اُن کو یقین کامل تھا کہ "انگریز بجز اُن کے جنھوں نے فساد کیا ہے کسی کو کچھ تکلیف نہیں دینے کے" جب زمانۂ فتح دہلی قریب ہوا اور کشمیری دروازہ فتح ہو گیا۔ سب زن و مرد شہر سے باہر چلے گئے۔ مگر وہ اور اُن کی ایک بہن جو نابینا تھیں اسی یقین پر کہ انگریز بے گناہوں کو نہیں ستانے کے اپنے گھر سے نہیں گئیں۔

مگر افسوس کہ اُن کا خیال غلط نکلا اور جب دہلی فتح ہوئی تو سپاہی گھروں میں گھس آئے۔ تمام گھر لوٹ لیا۔ وہ مع اپنی بہن کے حویلی کو چھوڑ کر اُس کوٹھری میں چلی آئیں جس میں زیبا لاوارث بڑھیا رہتی تھی۔

آٹھ دس دن اُنھوں نے نہایت تکلیف سے بسر کئے اِس عرصہ میں راقم جو میرٹھ میں آ گیا تھا۔ میرٹھ سے دہلی پہنچا اور اپنی والدہ کے پاس گیا اُس وقت تین سے اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ گھوڑے کا دانہ کچھ مل گیا اُسی پر بسر کی۔ دو دن سے پانی بھی ختم ہو چکا تھا اور پانی کی نہایت تکلیف تھی۔

میں نے کوٹھری کا دروازہ کھٹ کھٹایا اور آواز دی۔ اور اُنھوں نے دروازہ کھولا۔ پہلا لفظ جو اُن کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ "ہیں تم یہاں کیوں آ گئے یہاں تو لوگوں کو مارے ڈالتے ہیں تم چلے جاؤ ہم پر جو گذرے گی۔ گذرے گی۔"

میں نے کہا "آپ خاطر جمع رکھئے مجھے کوئی نہیں مارے گا۔ میرے

Marfat.com

پاس سب حاکموں کی چٹھیاں ہیں اور میں ابھی قلعہ کے انگریزوں اور دہلی کے گورنر سے مل کر آیا ہوں"۔ اُن کی طمانیت ہوئی اور معلوم ہوا کہ دو دن سے پانی مطلق نہیں پیا ہے۔

میں پانی کی تلاش نکلا پانی اُس طرف کہیں نہیں ملا۔ کنوؤں پر کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے پانی نکلا جا سکے۔ ناچار پھر قلعہ میں گیا اور وہاں سے ایک صراحی پانی کی لے کر چلا۔ جب اپنے گھر کے قریب کے بازار میں پہنچا تو دیکھا کہ وہی لاوارث بڑھیا سڑک پر بیٹھی اور اُس کے ہاتھ میں مٹی کی صراحی اور آبخورہ ہے اور کسی قدر بدحواس ہے معلوم ہوا کہ وہ بھی پانی کی تلاش کو نکلی تھی۔ تھوڑی دور چل کر بیٹھ گئی اور پھر اُٹھا نہ گیا۔

مجھ کو معلوم تھا کہ وہ بھی پیاسی ہے۔ دو دن سے پانی نہیں ملا۔ میں نے اُس کے آبخورہ میں پانی دیا اور کہا (پانی پی لے) اُس نے کپ کپاتے ہاتھوں سے آبخورہ کا پانی صراحی میں ڈالا اور کچھ گرا دیا۔ اور گھر کی طرف اشارہ کیا اور کچھ کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ بیگم صاحب پیاسی ہیں اُن کے لیے پانی لے جاؤں گی اور اسی غرض سے پانی صراحی میں ڈالتی تھی۔

میں نے کہا میرے پاس پانی بہت ہے میں لے آیا ہوں تو پانی پی لئے پھر آبخورہ میں پانی دیا۔ اُس نے پیا اور لیٹ گئی میں جلدی جلدی گھر کی طرف آیا اور اپنی والدہ اور خالہ کو تھوڑا تھوڑا پانی پینے کو دیا۔ اُنھوں نے خدا کا شکر کیا۔

اب میں گھر سے نکلا کہ کچھ سواری کا بندوبست کر کے ان کو میرٹھ

Marfat.com

میرٹھ لے جاؤں۔ جب اُس مقام پر پہنچا جہاں بڑھیا زینا لیٹی تھی تو معلوم ہوا کہ وہ مرچکی ہے۔ سارے شہر میں باوجود یکہ حکام نے بھی احکام جاری کیے لیکن کہیں سواری نہ ملی۔ آخر کار حکام قلعہ نے اجازت دی کہ شکرم جو سرکاری ڈاک میرٹھ کو لے جاتی ہے مجھ کو دے دی جاوے۔ میں وہ شکرم لے کر گھر پہ آیا اور اپنی والدہ اور خالہ کو اُس میں بٹھا کر میرٹھ لے آیا۔

منشی الطاف حسین صاحب سرشتہ دار کمشنری میرٹھ نے جو میرے ساتھ بچپن سے کھیلے ہوئے تھے اور ان کے خاندان اور میرے خاندان سے ارتباط قدیمی تھا میرے رہنے کو ایک مکان خالی کر دیا۔ میں ہمیشہ اُن کے اس احسان کو یاد رکھتا ہوں۔

اس تکلیف سے میری والدہ کی طبیعت جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گئی ہے اور صفرا کی نہایت شدت ہو گئی۔ جو دوا یا غذا دی جاتی تھی وہ قے ہو جاتی تھی۔ کبھی اس مرض میں کچھ تخفیف ہو جاتی کبھی شدت ہو جاتی۔ آخر کار اسی مرض میں یکم ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ ہجری مطابق ۱۸۵۷ء کے انھوں نے بمقام میرٹھ انتقال کیا۔ مگر اُن کی نیک نیتی کا یہ نتیجہ تھا کہ انتقال سے چند روز پیشتر ان کی بیٹی اور نواسیاں اور پوتے اور پوتیاں اور بھوئیں جو مختلف مقامات میں چلی گئی تھیں سب ان کے پاس میرٹھ میں جمع ہو گئی تھیں۔ اور انھوں نے سب کو صحیح وسالم اور خیر و عافیت سے دیکھ کر نہایت خوشی ظاہر کی تھی۔

انھوں نے انتقال سے ایک روز پہلے صرف دو وصیتیں مجھ کو کیں۔

Marfat.com

ایک یہ کہ اُن کو بغلی قبر میں جو مسنون ہے دفن کیا جائے۔ دوسری یہ بات کہی کہ اُن کے ذمہ نہ تو کوئی روزہ قضا کا ہے اور نہ کوئی نماز قضا کی ہے۔ صرف ان ہی دنوں کی نمازیں اگرچہ میں نے پڑھی ہیں لیکن اگر میں زندہ رہتی تو ان کو بھی قضا پڑھتی۔ میرے مرنے کے بعد تم اُس قدر دنوں کی نمازوں کا حساب کر کر کفارہ کے گیہوں غریبوں کو دے دینا۔ جب کہ دوسرے دن اُنھوں نے قضا کی تو میں نے اُن کی دونوں وصیتوں کو پورا کیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

Marfat.com

شخصیات

۱۔ خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانی۔
۲۔ رسول شاہ۔
۳۔ مولوی محمد حنیف
۴۔ علامہ تفضل حسین خاں۔
۵۔ راجہ رام موہن رائے۔
۶۔ حکیم احسن اللہ خاں
۷۔ مولوی کرامت علی
۸۔ رجب علی۔
۹۔ خواجہ محمد نصیر
۱۰۔ حکیم رستم علی خاں
۱۱۔ خواجہ وحید الدین
۱۲۔ نواب زین العابدین خاں

Marfat.com

۱۳- میر ناصر احمد
۱۴- ہمّت خاں
۱۵- راگ رسن خاں
۱۶- حکیم غلام نجف خاں
۱۷- شاہ محمد آفاق
۱۸- خواجہ علاؤالدین احمد
۱۹- فدا حسین

Marfat.com

۱۔ خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانی

محمد دارا شکوہ، سفینۃ الاولیا میں لکھتا ہے، کنیت ابو یعقوب، اصل ہمدان، شیخ ابو علی فارندی و شیخ ابو اسحٰق شیرازی کے مرید تھے، شیخ عبد الرشید جونی، اور شیخ سمنانی سے بھی استفادہ کیا تھا اور بغداد میں شیخ عبد القادر جیلانی سے بھی فیض صحبت حاصل کیا تھا، مذہباً حنفی تھے، ولادت ۴۴۰ھ میں ہوئی اور وفات مرو میں ۵۳۵ھ میں مزار مرو میں ہے ان کے چار خلفاء تھے، (۱) خواجہ عبد اللہ برقی (۲) خواجہ انداقی (۳) خواجہ احمد یسوی (۴) خواجہ عبد الخالق غجدوانی۔ مشہور صوفی شاعر حکیم سنائیؒ ان کے مرید تھے ص ۷۵ و ص ۱۶۷ مطبع نول کشور۔

مولانا عبد الرحمان جامی نے بھی نفحات الانس میں تقریباً یہی حالات تحریر کئے ہیں، الّا یہ کہ شیخ ابو علی فارندی سے ان کی نسبت کو مشکوک لکھا ہے۔

۲۔ رسول شاہ

رسول شاہ کا اصل نام سید عبد الرسول تھا، بہادر پور مضاف الور وطن تھا۔ شاہ نعمت اللہ کے مرید تھے جن کے توسط سے ان کا سلسلۂ نسبت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے انہی بزرگ سے "رسول شاہی" سلسلہ منسوب ہے۔ اس فرقہ کے فقراء

Marfat.com

کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ بیان مستحق توجہ ہے:۔

"ان سے ملنا نہیں چاہیئے کیوں کہ اس ملاقات سے وہ کدورت حاصل ہوتی ہے جو دنیا دار ہنود سے بھی نہیں ہوتی"

ملفوظات عزیزی صفحہ ۹۴

شاہ صاحب کے ایک اور معاصر مولوی عبدالقادر رام پوری لکھتے ہیں:۔

"اصلیت اس (رسول شاہ) کی اتنی ہے کہ ایک بساطی تھا اس کا کام بگڑ گیا لوگوں کا بہت سا قرض اس کی گردن پر ہوگیا اس لئے وہ جمنا کی طرف بھاگا اور الور پہنچا، ہئیت بدلنے کے لئے داڑھی اور بھوؤں کا صفایا کیا۔ یہاں کے لوگوں کو سادہ پا کر پیر بن بیٹھا، جو کوئی اس کے پاس آتا اس سے بھی یہی کہتا کہ فاقہ کرو اور اس کو بھوکا رکھتا جب وہ شخص جاں بلب ہوجاتا تو کوٹی ہوئی بھنگ پانی میں بھگو کر اور کپڑے میں چھان کر اس کا فضلہ کھانے کو اور وہی پانی پینے کو دیتا، بھنگ کا اثر بھوک میں اور زیادہ ہوتا ہے رفتہ رفتہ وہ شخص دماغ کی خشکی سے دیوانہ ہوجاتا اور لوگ رسول شاہ کی صحبت کے اثر سے مجذوب سمجھنے لگتے۔ صفحہ ۳۰

علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) (مرتبہ محمد ایوب قادری ایم اے)۔

سرسید نے آثار الصنادید کے باب چہارم (تذکرہ اہل دہلی)۔ مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی) میں ان کا سالِ وفات ۱۱۱۱ہجری

Marfat.com

لکھا ہے، مرتب نے بھی حاشیہ میں اس کی صحت بھی نہیں کی۔ غالباً ۱۲۱۱ھ ہے۔

۳۔ مولوی محمد حنیف

اصل نام مظفر حسین تھا، میرٹھ کے رہنے والے تھے، اور ایک صاحب ثروت خاندان کے فرد تھے ابتدائً تدریس میں مشغول رہتے تھے بعد میں رسول شاہ کے مرید ہو کر انھیں کے پاس جا رہے اور وہیں (الور میں) انتقال کیا ان کا سن رحلت بھی تذکرۂ اہل دہلی (ص ۳۹) میں میں ۱۲ھ لکھا ہے اور یہاں بھی مرتب نے تصحیح نہیں کی، حکیم نجم الغنی خاں رام پوری نے ۱۲۱۷ھ سن رحلت لکھا ہے (راجگان ہند جلد اوّل ص ۶۷۳ بحوالۂ علم و عمل ص ۲۱)

مولوی عبدالقادر رام پوری لکھتے ہیں:۔

کچھ عرصہ بعد ایک شخص جو مولوی حنیف کے نام سے مشہور ہے اور کچھ شوقین مزاج بھی ہے اس (رسول شاہ) سے آملا اور رسول شاہ کے کام کی رونق بڑھا دی، مولوی حنیف بھنگ کی تعریف کے علاوہ ابلہ فریب کلمات لوگوں سے کہتا اور لوگ یہ دیکھتے ہوئے کہ ایک مولوی اس فقیر کا تابع ہے بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کی باتوں کا یقین کر لیتے اور اندھا دھند گم راہی کے گڑھے میں گرتے ص ۳ علم و عمل۔

Marfat.com

۴۔ علامہ تفضل حسین خاں

عہد آخر کے ایک باکمال بزرگ گذرے ہیں، ریاضیات میں بطور خاص انھیں کمال حاصل تھا، ہیئت و ہندسہ میں جدید معلومات سے بھی بہرہ ور تھے، جدید اور مغربی السنہ و فنون کے علماء کا ایک گروہ تو ہمارے یہاں وہ ہے جس نے مدارس جدید (دلی کالج وغیرہ) میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن ایک گروہ تھا جس نے انفرادی طور پر تحصیل کی تھی، علامہ تفضل حسین خاں دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے تھے وہ سیال کوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں دہلی پہنچے۔ مولوی وجیہہ الدین (شاگرد ملا نظام الدین سہالوی) مرزا محمد علی ابن مرزا خیر اللہ مہندس سے تحصیل علوم کی، اٹھارہ ۱۸ سال کی عمر میں اپنے والد (اسد اللہ بن کرم اللہ) کے ساتھ لکھنؤ پہنچے۔ وہاں ملا حسن لکھنوی سے استفادہ کیا، تکمیل و فراغ کے بعد شجاع الدولہ سے وابستہ ہو گئے انھوں نے سعادت علی خاں کا اتالیق مقرر کر کے الٰہ آباد بھیج دیا، الٰہ آباد سے بنارس پہنچے اور شیخ علی حزیں سے مستفید ہوئے۔ وہاں سے کلکتہ چلے گئے کلکتہ سے جنرل پامر کے ساتھ ۱۷۸۲ء میں لکھنؤ آئے ۱۷۸۸ء میں آصف الدولہ نے اپنا سفیر (وکیل) بنا کر کلکتہ بھیج دیا، ۶-۱۷۹۵ء میں لکھنؤ بلا کر اپنا وزیر بنا دیا اور اور آصف الدولہ کی حیات تک وہ اس منصب پر رہے ۱۷۹۸ء

Marfat.com

میں جب سعادت علی خاں مسند نشین ہوئے تو انھوں نے علامہ کو کلکتہ روانہ کر دیا۔ اور وعدہ کیا کہ سند سفارت بعد میں بھیج دوں گا مگر اصل میں وہ علامہ کو اس طرح ٹالنا چاہتے تھے چناں چہ سند نہیں بھیجی جس کو علامہ نے بہت محسوس کیا اور ان کے جسم میں خلط سودا کی کثرت ہو گئی اور نتیجتاً مالی خولیا کے آثار و علامات پیدا ہو گئے بعد میں فالج بھی ہو گیا، حصول صحت کی غرض سے عازم لکھنؤ ہوئے مگر راستہ ہی میں بمقام ہزاری باغ (بہار) ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء میں وصال ہو گیا۔

علامہ لاطینی اور انگریزی سے بھی واقف تھے، یہ واقفیت انھوں نے کلکتہ میں حاصل کی تھی آپ کی تصانیف و شروح میں یہ ہیں۔

(۱) شرح مخروطات ایلو بنوس

(۲) شرح مخروطات دیو نبال

(۳) شرح مخروطات سمس

(۴، ۵) جبر و مقابلہ پر دو رسالے۔

اور درسی کتب پر تعلیقات ہیں۔

ترجمۂ تذکرۂ علماء ہند از محمد ایوب قادری ایم، اے ص ۱۳۹

الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۷۱ و ص ۲۷۶ نزہۃ الخواطر جزء سابع رود کوثر ص ۶۳ (حوالہ ہائے نجوم اسماء و تحفۃ العالم و قیصر التواریخ)۔

Marfat.com

۵۔ راجہ رام موہن رائے

منشی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :۔ یہ ستودہ صفات قوم کا برہمن تھا۔ اور ایک شریف خاندان میں ۱۷۸۰ء میں بردوان میں پیدا ہوا اس کے باپ دادا دونوں بنگال کی عمدہ خدمتیں رکھتے تھے اس لئے انھوں نے فارسی، عربی کی تعلیم پائی اور بہت غور و خوض سے قرآن شریف سے استفادہ کیا جس سے اس کے دل میں توحید الٰہی کا جوش اٹھا۔ بت پرستی سے نفرت پیدا ہوئی، وہ انگریزی سرکار کے نوکر ہوئے اور بتدریج ترقی پاتے گئے۔ سنسکرت اور انگریزی زبان میں استعداد بہم پہنچائی پھر ۱۸۱۴ء میں ترک ملازمت کر کے کلکتہ میں سکونت اختیار کی .... وید اور ویدانت کو سنسکرت اور بنگالی اور انگریزی میں چھپوایا ..... اور فقط دریوزہ گری علم اور آموزش و دانش کے واسطے انگلستان کی سیر کا ارادہ کیا اور بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کی مختاری کا عہدہ قبول کیا ۱۸۳۰ء میں ولایت پہنچا ...... برسٹول میں ۱۸۳۳ء میں روح مقدس ان کی جنت کو رخصت ہوئی" ص ۲۸۲ تاریخ ہند (عہد انگلشیہ)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔ اکبر شاہ نے رام موہن رائے کو راجا کا خطاب دیا اور اپنا سفیر بنا کے انگلینڈ بھیجا۔ راجہ صاحب کی انگلش سوسائٹی میں ان کے علم اور لیاقت کی وجہ سے بڑی قدر شناسی ہوئی مگر اس کی سفارت کی رتی برابر بھی قدر و حرمت نہیں ہوئی وہ اپنے

Marfat.com

کام میں بے نیل ومرام رہا صـ ۳۸۴

راجا نے پھلواری شریف (پٹنہ، بہار، بھارت) میں ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی صـ ۱۹ آثارات پھلواری۔

راجا نے ایک گھڑی ساز ڈیوڈہیر DEVID HARE کی شرکت سے سنہ ۱۸۱۶ء میں مغربی علوم والسنہ کی ایک درس گاہ جاری کی تھی، جسے "ہندو ودیالیہ" "ہندو کالج" اور "اینگلوانڈین کالج" کہتے ہیں۔ یہ سب سے پہلی مغربی طرز کی درس گاہ تھی جو ملک میں جاری ہوئی اس کے بعد سنہ ۱۸۱۸ء میں جے نرائن کالج (بنارس) سنہ ۱۸۲۱ء میں پونا ہندو کالج (پونا) سنہ ۱۸۲۳ء میں آگرہ کالج (آگرہ) اور سنہ ۱۸۲۵ء میں دلی کالج (دہلی) جاری ہوئے۔ صـ ۲۱ تاریخ مدرسۂ عالیہ۔

۶۔ حکیم احسن اللہ خاں

برصغیر میں ۱۹ ویں صدی عیسوی کی ایک اہم مسلم شخصیت تھے فاضل و کامل اور معروف و ممتاز طبیب و معالج، تیموری دربار کے ذی اثر و معتمد امیر اور تمثیل جہاد حریت کے ایک خصوصی کردار تھے، شجرۂ نسب جناب صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور سلسلہ سند حکیم ذکاء اللہ خاں کے توسط سے حکیم مسیحا خاں تک، عملی زندگی کا آغاز فیروز پور جھرکہ اور جھجھر کے درباروں سے کیا اور اس کے بعد مرکز کی طرف متوجہ ہوئے تاآں کہ لال قلعہ کی سیاست پر حاوی ہو گئے اور

Marfat.com

تقریباً ۲۲ سال دھلی کے دو آخری فرماں رواؤں کے دل و دماغ پر چھائے رہے اکبر شاہ ثانی نے انھیں "عمدۃ الملک حاذق الزماں" کا خطاب دیا اور بہادر شاہ ظفر نے "احترام الدولہ ثابت جنگ" کا، ۱۸۴۲ء میں سر سید کو بہادر شاہ نے "جواد الدولہ عارف جنگ" کا جو خطاب دیا تھا اس کی تحریک حکیم صاحب نے ہی کی تھی، غالب اور مومن سے بھی خصوصی تعلقات تھے ۱۸۵۰ء میں بہادر شاہ نے غالب کو تاریخ نگاری کی خدمت سپرد کی تھی اس کا مواد فراہم کرنے کی ذمہ داری حکیم صاحب کے سپرد تھی، غالب کی کلیات نثر فارسی، "عود ہندی" اور "اردوئے معلیٰ" میں متعدد خطوط حکیم صاحب کے نام ہیں، دوسرے حضرات کے نام کے خطوط میں بھی حکیم صاحب کا تذکرہ ہے۔ مومن کا دیوان فارسی اور انشاء مومن (مجموعۂ مکاتیب فارسی) حکیم صاحب ہی نے ۱۸۵۵ء میں مرتب کر کے شائع کئے تھے، انشاء مومن کے بیش تر خطوط حکیم صاحب ہی کے نام ہیں، دو خط حکیم صاحب کی والدہ کے نام ہیں، جن سے ان دونوں کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے اور ان ہی خطوط کی بناء پر بعض مورخ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ حکیم صاحب مومن کے پھوپی زاد بھائی تھے، حال آں کہ یہ غلط ہے۔

حکیم صاحب نے مراۃ الاشباہ کے نام سے فرماں روایانِ ہند کے حالات میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جو ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

Marfat.com

میرے پاس حکیم صاحب کی ایک ضخیم بیاض مجربات و معمولات ہے جو اُنھوں نے اپنے عزیز شاگرد اور میرے پردادا مولوی حکیم سید دائم علی عظیم آبادی ثم ٹونکی رح کو عطا فرمائی تھی، حکیم صاحب کے شاگرد اور نسبتی بھائی غلام نجف خاں میرے دادا حکیم سید برکات احمد کے اُستاد تھے، ان نسبتوں کے باوصف حق یہ ہے کہ سن ستاون کے ہنگامے میں حکیم صاحب نے حیرت ناک حد تک قابل نفرین کردار ادا کیا، بہادر شاہ ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے، لیکن حکیم صاحب انھیں غلط مشورے دیتے رہے، غلط یقین دہانی کرتے رہے اور ادھر انگریزوں اور رجب علی جیسے "کمپنی پرستوں" سے ملے رہے اور ہر کام انگریزوں کے مفید مطلب کرتے رہے حد یہ ہے کہ عدالت (فوجی کمیشن) کے سامنے بہادر شاہ کے خلاف بیان دے کر محسن کشی کا داغ بھی اپنے دامن پر لگا لیا، ان خدمات کے صلے میں دو سو روپیہ ماہانہ کی پنشن مقرر ہوئی۔

ایماں فروختند وچہ ارزاں فروختند!

سنہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔

تذکرہ اہل دھلی صلا۔ الثورۃ الہندیہ ص۔ بہادر شاہ کا روزنامچہ ص ۱۳۲ مسٹر ٹامس مٹکاف کی ڈائری ص ۵۲ واقعات دار الحکومت دھلی ص ۲/۲۸۹ حکیم احسن اللہ خاں کا روزنامچہ (انگریزی) وغیرہ۔

۷۔ مولوی کرامت علی

"خلف الرشید ہیں مولوی حیات علی خوش نویس رحمتہ اللہ علیہ کے اور شاگرد رشید ہیں مولانا فضل امام صاحب کے فضل وکمال ان کا حد تقریر اور حیطۂ تحریر سے زیادہ ہے استحضار اس مرتبہ کو پہنچا ہے کہ حصولی ان کے ذہن میں حکم حضوری کا رکھتا ہے عرصہ چند سال کا ہوا شہر شاہ جہان آباد کو تلاش معاش کی تقریب سے چھوڑا اور حیدر آباد کی طرف راہی ہوئے، چوں کہ السفر وسیلۃ الظفر حدیث مشہور ہے۔ گردشِ فلک نے وہاں ان سے موافقت کی اور بالفعل ہزار روپیہ ماہانہ کے منصب سے سرفراز ہیں اس نواح میں مع قبائل وعشائر کے گزر کرتے ہیں۔ نظم ونثر ان کا کچھ راقم کو بہم نہیں پہنچا"۔ سرسید: تذکرہ اہل دھلی، ص ۹۸

"___ علوم شرعیہ وادبیہ کی طرف زیادہ متوجہ ہیں اگرچہ کسی فن سے خالی نہیں۔ خوش نویس اور زود رقم میں نے ان جیسا آج تک نہیں دیکھا، اگر کچھ مانع نہیں آیا تو ممکن ہے بہت کچھ ترقی کر جائیں۔ ہر طرح کے علوم حاصل کئے ہیں تعلیم وتعلیم کا رویہ زیادہ ترخان دان عزیزیہ کے طرز پر ہے"___ عبدالقادر: علم وعمل ص ۲۵۹

مولوی کرامت علی کی ایک کتاب "سیرت" ضخامت ۶۰۰ سو صفحات حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے،

Marfat.com

۸ (رجب علی)

رجب علی نے نور احمد چشتی کو "تحقیقات چشتی" میں درج کرنے کے لئے جو حالات خود لکھ کر دیئے تھے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ولادت ۱۸۰۶ء بمقام تلونڈی (لدھیانہ) ۱۸۱۷ء میں وہاں سے خان دان جگراؤں منتقل ہوگیا ۱۸۱۸ء میں طلب علم کے لئے لاہور پہنچ طب کی تعلیم حکیم سید خیر شاہ لاہوری تلمیذ حکیم اعلیٰ اور مذہب امامیہ کی تعلیم ملا حیدری خطائی سے حاصل کی ۱۸۲۵ء میں دلی کالج میں داخل ہوا تکمیل کے بعد وہیں مدرس ریاضی ہوگیا ۱۸۳۰ء میں مدرسہ کا تعلق ترک کرکے ہوشنگ آباد پہنچا وہاں سے بھوپال آیا اور تحریر فتاوی شرعیہ اور امور محکمۂ گورنری کے لئے مقرر ہوا۔ تقریباً تین سال وہاں رہا۔ اس زمانے میں عبد اللہ بغدادی سے سُنن و تتبع پر مباحثہ کیا ۱۸۳۳ء میں بھوپال سے جگراؤں واپس آیا اور سردار فتح سنگھ کا مصاحب ہوگیا چار ماہ یہاں رہا پھر انبالہ میں ۱۸۳۴ء میں جان رسل کلارک کا منشی ہوگیا ۱۸۵۲ء میں جگراؤں میں جاگیر ملی پھر ہنری لارنس کے ساتھ راجپوتانہ کا دورہ کیا۔ واپسی میں دلی میں مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سے مولوی صدر الدین آزردہ کے روبرو مناظرہ کیا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں کمانڈر انچیف کا میر منشی مقرر ہوا اور جو خدمات انجام دیں ان کے صلے میں پانچ ہزار روپیہ

Marfat.com

اور جاگیر اور خطاب "ارسطوجاہ" عطا ہوا ۱۸۴۷ء میں جمع لاہور دہنگامہ دگادکشی کے سلسلے میں خان بہادری کا خطاب مل چکا تھا۔ ۱۸۶۲ء میں حج و زیارت کے لیے گیا۔ تذکرۂ روسائے پنجاب صفحہ ۳۲۹ بحوالہ بہادر شاہ ظفر صفحہ ۱۲۷۹ ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا۔

کمپنی کو استیلائے ہند کی مہم میں جو ذہین و فعال ہندوستانی دستیاب ہوئے تھے اور جنہوں نے ہر نازک موقع پر بڑے اخلاص و انہماک سے کمپنی کی خدمات انجام دیں تھیں ان میں رجب علی کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے اس لئے کہ اس نے بڑی کٹھن گھڑی اور فیصلہ کن عت میں وطن دشمنی، قوم کشی اور اقتدار پرستی کا مظاہرہ کیا اور جس کا اعتراف اس دور کے متعدد انگریزوں نے واشگاف الفاظ میں کیا ہے

یہ تھے خواجہ فریدالدین کے خلیفہ اور تلمیذ رشید!

مگر تعجب ہے کہ خود رجب علی اپنی مندرجہ بالا داستان حیات میں اس تلمذ کا ذکر نہیں کیا۔

۹ — (خواجہ محمد نصیر)

خواجہ میر درد رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے اور میر کلو صاحب اکبرآبادی کے فرزند تھے ۱۱۸۹ھ میں ولادت ہوئی۔ دس برس کی عمر میں خواجہ صاحب سے بیعت ہوئے۔ ریاضیات میں بہت دخل تھا۔ موسیقی خوب جانتے تھے "نال" اور "حساب" میں صاحب تصانیف تھے مشہور شاعر

Marfat.com

خواجہ میر اثر سے فیض باطن حاصل کیا

خواجہ صاحب میر (فرزند خواجہ میر درد) کے بعد ان کے جانشین ہوئے
کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ رنج تخلص تھا، ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

دیکھی نہیں حالت یہ خدائی میں کسی کی
ہے طور جدا اپنا جدائی میں کسی کی!

۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء میں وفات پائی، تذکرۂ اہل دہلی، ص ۲۹

۱۰۔ حکیم رستم علی خاں

طب میں مہارت معقول رکھتے ہیں اور مریض ان کے ہاتھ سے شفا پاتے ہیں اور کتب فارسیہ کو بھی بہت تحقیق سے پڑھاتے ہیں غرض کہ عالم مستعد اور فاضل اجل ہیں۔ بالفعل خلعت وقائع نگاری پر حضرت بادشاہ جم جاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ خلد اللہ ملکہٗ وسلطانہٗ کی سرکار میں مامور ہیں اور خطاب "مصلح الدولہ حکیم محمد رستم علی خاں بہادر" سے ممتاز۔ راقم (سرسید) سے بھی رابطہ محبت بکمال رکھتے ہیں انشاء نظم ونثر کی طرف کم متوجہ ہوتے ہیں مگر اخبار سلطانی ہر ہفتہ اُن کی نثر طبع زاد کا نمونہ ہے۔"
ص ۱۰۲ تذکرۂ اہل دہلی۔

۱۱۔ خواجہ وحید الدین خاں

مولوی عبد القادر رامپوری اپنے وقائع میں لکھتے ہیں "خواجہ

Marfat.com

وحیدالدین خاں پسر خواجہ فریدین خاں دبیرالدولہ ایک مدت تک جنرل آکٹرلونی صاحب کا مصاحب خاص رہا۔ ملکۂ عالم جناب عصمت مآب رحیم النساء بیگم کی مہمانی پر گزر کرتا تھا"، ص۲۹۵ علم و عمل۔

"۱۹ ر مارچ ۱۸۴۷ء کو مختار الدولہ خواجہ وحیدالدین خاں صاحب کو خلعت پنج پارچہ اور رقم جواہر عطا ہوا"۔ بہادر شاہ کا روزنامچہ مرتبہ خواجہ حسن نظامی

۱۲- نواب زین العابدین خاں

خواجہ حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں۔ نواب زین العابدین خاں... فنون ریاضی میں ید طولیٰ رکھتے تھے ۱۲۵۲ھ میں جب طالب علمی کے ارادے سے میرا دلی جانا ہوا تو اُس وقت وہ زندہ تھے اور دلی میں ان کی ریاضی دانی خاص کر موسیقی کے علم و عمل میں ان کی بڑی شہرت تھی"۔ ص۱۸

مولوی عبدالقادر لکھتے ہیں: "جنرل (آکٹرلونی) کا مشیر خاص تھا، زین العابدین امیروں کی خدمت کا خاص سلیقہ رکھتا تھا اور جس سے چاہتا تھا۔ بڑی خوبی سے تعلقات پیدا کر لیتا تھا اس وجہ سے جنرل نے اس جوان کو اسٹور صاحب کا منشی کر دیا تھا، مرد خوش رو، باادب، بزم صاحب سلیقہ زباں داں، حفظ مراتب سے خبردار اور نوشت و خواند میں ماہر جو کوئی اس کے ساتھ مروت سے پیش آتا اور اس کے باپ کے مرتبہ لحاظ کرتے ہوئے اس کے ساتھ برتاؤ کرتا تو وہ ایسے شخص سے ہمیشہ خوش رہتا تھا"۔ ص۱۹۸ علم و عمل۔

سرسید نے خوش نویسوں کے زمرہ میں زین العابدین خاں کے بیٹے

Marfat.com

خواجہ امام الدین خاں کا ذکر کیا ہے، دوسرے بیٹے خواجہ شریف الدین احمد خاں تھے جن کے بیٹے خواجہ مصلح الدین مالک مصلح المطابع دہلی تھے، تیسرے بیٹے خواجہ ہاشم علی خاں کا ذکر خود سرسید نے اسی کتاب میں کیا ہے۔

۱۳ — میر ناصر احمد

والد سید تھے مگر نانا ایک مشہور گویا ہمت خاں تھا، اس سے فن موسیقی کی تعلیم و تربیت حاصل کی بین، (ایک قسم کا ساز) بجانے میں کمال حاصل کیا، عمر کا بیشتر حصہ دہلی میں بسر کیا آخر میں اودھ کی طرف چلا گیا تھا"

آثار الصنادید ص۱۲۴

۱۴ — ہمت خاں

بار بداس نامی گویے کا شاگرد تھا، دھرپد بجانے میں ماہر تھا، عہد زوال کے اکثر گرفتاران طاؤس و رباب امراء نے اس کی بڑی بڑی تن خواہیں کی پیش کش کی مگر اس نے دہلی سے قدم باہر نہیں نکالا، آثار کی تالیف (۱۸۴۷ء) سے چند سال پہلے راہی فنا ہوا، مولوی عبد القادر لکھتے ہیں: رات میں پوریا اور ہمیز (دو راگ) کا گلے سے نکالنا مشکل ہے۔ لیکن ایک محفل میں میں موجود تھا اس میں ہمت خاں نے خوب ادا کیا۔ آثار الصنادید ص۱۲۳

علم و عمل ص۲۰۳

۱۵ — راگ رس خاں

فن بین نوازی میں یکتائے روزگار و یگانۂ شہر و دیار تھا... چند سال گذرے کہ عالم فانی سے عالم باقی کو راہی ہوا، ص ۱۲۳ آثار الصنادید۔

۱۶ — حکیم غلام نجف خاں

عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں ابن حافظ مسیح الدین خاں شیخوپوری، ۱۹ویں صدی میں ایک عالی مرتبت، یگانۂ عصر اور فقید المثل طبیب تھے، حکیم صاحب نسلاً فاروقی تھے، جہاں گیر و شاہ جہاں کے عہد کے مشہور امیر اور "تحریک تجدید" کے ممتاز رکن شیخ فرید (محتشم خاں) اور نواب قطب الدین خاں (صوبہ دار بنگال و اڑیسہ) آپ کے اجداد میں سے تھے۔ بدایوں کے قریب شیخوپور نامی آبادی کی بنا شیخ فرید ہی نے ڈالی تھی۔

فن طب میں آپ کا سلسلۂ اسنادیوں ہے، حکیم غلام نجف خاں از حکیم صادق علی خاں از حکیم شریف خاں از حکیم اکمل خاں از معتمد الملک علوی خاں از حکیم محمد ہادی علوی شیرازی از مرزا محمد تقی موسوی از اطبار خورد طبرستان تا بہ اطباء حران از ابوالطب بقراط از اسقلی بیوس از حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حکیم غلام نجف خاں نے اپنے نسبتی بھائی احترام الدولہ عمدۃ الحکماء حکیم محمد احسن اللہ خاں بہادر سے بھی علم و عمل طب میں استفادہ کیا تھا۔

Marfat.com

اس لئے ان کے واسطے سے سلسلۂ سند یوں ہے۔ حکیم غلام نجف خاں از حکیم احسن اللہ خاں از حکیم ذکاء اللہ خاں از والد خود حکیم اسحق خاں از والد خود حکیم اسماعیل خاں مخاطب بہ بقا خاں اصغر از والد خود حکیم بقا خاں اعظم از والد خود حکیم عبد السلام خاں از والد خود حکیم حبیب اللہ خاں از والد خود حکیم ارشد خاں از والد خود حکیم مسیحا خاں۔

حکیم صاحب ۵ برس کی عمر میں شیخوپور سے دہلی آئے اور درسی علوم کی تکمیل کے بعد حکیم صادق علی خاں اور حکیم احسن اللہ خاں سے طب کے علم و عمل کی تعلیم و تربیت حاصل کی، ۱۸۳۷ء کے بعد بہادر شاہ نے عضد الدولہ کا خطاب دیا اور ۱۸۴۷ء سے پہلے کمپنی کی طرف سے بحیثیت طبیب شہر مامور ہوئے ۵۷ء کے ہنگامہ میں وطن چلے گئے تھے، امن ہونے پر پھر دہلی آ رہے۔

سید محمد خاں بہادر مالک سید المطابع سے برادرانہ تعلقات تھے، اس لئے سر سید ان کو بڑے بھائی کے برابر سمجھتے تھے، ۱۸۶۹ء میں جب سر سید انگلستان جانے لگے تو حکیم صاحب نے سید حامد کے ذریعہ انھیں ایک خط لکھا تھا جس میں الحاد و آزاد خیالی کا اندیشہ ظاہر کیا تھا اور نصیحت کی تھی، سر سید نے انگلستان پہنچ کر اس کا جواب دیا تھا (حیات جاوید ص۴۳۲ مکتوبات سر سید ص۳۰)

حکیم صاحب کے غالب سے بڑے گہرے روابط تھے، غالب ان کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے حکیم صاحب بھی ان کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے،

Marfat.com

کبھی شعر کہتے تو غالب سے اصلاح بھی لیتے تھے "عود ہندی" میں حکیم صاحب کے نام غالب کے ۲۳ مکتوبات ہیں "اُردوِ معلیٰ" کے بہت سے مکتوبات میں ان کا تذکرہ ہے۔

میرے پاس حکیم صاحب کی کئی نایاب تحریریں محفوظ ہیں۔
(۱) رسالہ طریق دادن ماءالجبن (۲) رسالہ دستور علاج عینن (اس رسالہ میں وہ ادویہ منضبط کی ہیں جن سے حکیم احسن اللہ خاں نے بہادر شاہ کے بعض عوارض کا ازالہ کیا تھا) (۳) ایک تحریر میں حکیم احسن اللہ خاں کے خاص خاص اور معرکہ آراء معالجات کی حکایات درج کی ہیں۔

حکیم صاحب کے صاحبزادے حکیم ظہیر الدین خاں تھے، غالب ان سے بے حد محبت کرتے "اُردوِ معلّےٰ" میں ان کے نام غالب کا ایک خط ہے اور "عود ہندی" میں ان کی طرف سے ان کے چچا کے نام ایک خط ہے، حکیم ظہیر الدین خاں، حکیم محمود خاں کے معاصر تھے، دہلی میں ان کا مطب خاص وعوام کا مرجع تھا۔

حکیم ظہیر الدین خاں کے صاحبزادے حکیم رضی الدین خاں تھے جنھیں بریطانوی حکومت نے "شفاء الملک" اور "خان بہادر" کے خطابات دیے تھے حکیم رضی الدین خاں نے اپنے جد مکرم کے علاوہ میرے جد امجد حکیم سید برکات احمد سے بھی تحصیل علوم کی تھی حکیم رضی الدین خاں کے حکیم اجمل خاں سے طب وسیاست دونوں

Marfat.com

میدانوں میں معرکہ رہے گا۔ مگر اشراف و ثقات اختلافات میں بھی چند حدود اور کچھ قیود کے پابند ہوتے تھے۔

حکیم رضی الدین خاں کے صاحبزادے حکیم ناصر الدین احمد خاں بھی اپنے وقت میں دہلی کی محترم و مغتنم شخصیت تھے، اُن کی آن بان، پابندی وضع، وسعت ظرف، شان وقار اور ادائے سادگی کو دیکھ کر ان کے اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، برسوں دہلی میں داد مداوا دیتے رہے تا آں کہ ان کا شہرہ دکن تک پہنچا اور پھر سلطان دکن کے معالج خاص ہو کر خود بھی دکن پہنچ گئے۔ سقوط دکن کے بعد پھر دہلی واپس تشریف لے آئے تھے اور "صدر جمہوریہ ہند" کے معالج ہو گئے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں رحلت فرما گئے۔

حکیم ناصر الدین احمد خاں مرحوم پر اس دودمان گرامی سے طبابت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، ہائے!

۔ دہلی سے رفتہ رفتہ سب اہلِ ہنر گئے

۷۱۔ شاہ محمد آفاق

• آپ کے کمالات اور مجاہدہ اور زہد اور مکاشفہ تمام عالم میں مشہور ہیں، آپ بھی اس زمانے کے بڑے ولی اللہوں میں سے تھے، نسبت باطنی اس قدر قوی تھی کہ بڑے بڑے صاحب نسبت اس کے اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے مقامات فقیری بہت صاف تھے۔

Marfat.com

نسبت الی اللہ بہت درست تھی، پیروی سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نہایت مدنظر رکھتے تھے، مسکینی اور شکستگی بدرجہ کمال حاصل تھی، اپنے تئیں بھی مثل اور نقش ونگار دیوار تصور فرمایا کرتے تھے، نسب آپ کا بھی حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے اور آپ بھی حضرت مجدد کی اولاد میں ہیں، حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سے کہ بڑے زبردست فقیر تھے سلسلۂ مجددیہ میں آپ نے بیعت کی تھی اور کمال مدارج حاصل کرکے اجازت پیری ومریدی کی حاصل کی تھی اور اپنے پیر کے انتقال کے ان کے سجادہ نشین ہوئے اور ان کے اشعار سے آپ کا سلسلہ بخوبی معلوم ہوگا۔

ہادی آفاق وانفس مثل اصحاب نبی — آں ضیاء اللہ زبیر ونقش بند متقی
خواجہ معصوم است واحمد خواجہ باقی خواجگی — خواجہ درویش ومحمد زاہد اسرار ولی
خواجہ یعقوب بہاء الدین دگر سید کلال — خواجہ باباداں دگر میر علی راتنی
خواجہ محمود است عارف خواجہ عبد الخالق است — خواجہ یوسف بعد شیخ فارمداں بوعلی

بوالحسن پس بایزید وجعفر صادق بود
قاسم وسلماں ابوبکر ورسول ہاشمی

اور علاوہ اس کے اور سب سلسلوں میں اجازت پیری اور مریدی کی حاصل تھی آخر کو یہی مضمون صادق آیا کہ

نفس فنا تھا سو فنا ہوگیا

یعنی محرم سنہ ۱۲۵۱ھ کی ساتویں کو بدھ کے دن نماز مغرب کے

Marfat.com

بعد آپ نے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون ط
جمعرات کے دن آپ کو مغل پورہ میں دفن کیا، خواجہ بہاءالدین صاحب نے جو بڑے بیٹے خواجہ علاءالدین صاحب کے ہیں یہ شعر تاریخ وفات میں نظم کیا۔

از سر یاس گفت اہلِ جہاں
شاہ آفاق رفت از دنیا

ص۲۱ و ۲۲ تذکرۂ اہل دہلی، شاہ صاحب کی ولادت ۱۱۶۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۲۵۱ھ میں تکمیل سلوک حضرت خواجہ ضیاءاللہ سے کی تھی اور ان کے وصال کے بعد مدت دراز تک خواجہ میر درد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض صحبت حاصل کیا آپ کے مسترشدین میں زمان شاہ والیِ کابل اور مولینا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی وغیرہما تھے، شاہ غلام علی دہلوی نے حاشیہ سیر المرشدین میں ان کا ذکر خیر فرمایا ہے "شہرۂ آفاق" از نواب نورالحسن خاں لکھنوی بھوپالی ص۷ و ۸۔ ارشاد رحمانی از مولانا محمد علی مونگیری ص۲۶۔ اسرار محبت از نواب نورالحسن خاں ص۳۔ "تذکرہ فضل رحمٰن" از ابوالحسن علی ندوی ص۲۲ و ۲۳

Marfat.com

۱۸ - خواجہ علاؤالدین احمد

آپ شاہ آفاق صاحب کے خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں اور حقیقت میں اپنے پیر کی نشانی ہیں اس زمانے میں ایسے لوگوں کا ہونا مغتنمات سے ہے ایسے لوگ کاہے کو پیدا ہوتے ہیں تمام عمر فقیری میں صرف کی اور دنیا و مافیہا سے خبر نہ رکھی سچ ہے کہ السعید من سعد فی بطن اُمہٖ، چھٹ پن سے آپ کو فقیری کا شوق تھا، سولہ برس کی عمر میں بیعت کی اور طرح طرح کے زہد اور مجاہدہ کئے اور اپنے پیر کی خدمت میں ہمیشہ سفر اور حضر میں حاضر رہے آپ کا نسب حضرت خواجہ یوسف ہمدانی سے ملتا ہے توکل علی اللہ اور عشق رسول اللہ ہر وقت آپ کے برتاؤ میں ہے، عالم جوانی میں حج خانہ کعبہ کا ادا کیا اور زیارت روضہ منورہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل کی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیب کرے آمین! یا رب العالمین! اب سن شریف آپکا نوے برس کے قریب ہے آنکھوں سے معذور ہیں اور پاؤں اُٹھ نہیں سکتے طاقت طاق ہے مگر ہر دم شغل جاری ہے اور صوم وصلوٰۃ قائم، سبحان اللہ کیا لوگ ہیں کہ کسی حالت میں اپنے معبود کی یاد سے غافل نہیں، غور کرو کہ جس شخص نے اپنا لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا صرف اللہ کی یاد میں صرف کیا ہو اُس کو کیا علو مدارج حاصل ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ

Marfat.com

ایسے لوگوں کو سلامت رکھے۔ ص۲۲ تذکرۂ اہل دہلی۔

۱۹ —— فدا حسین

اصل نام خواجہ نجیب الدین احمد تھا، خواجہ فریدالدین کے حقیقی بھائی تھے۔ سرسید نے تذکرۂ اہل دہلی میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"اٹھارہ برس کی عمر میں فقیری اختیار کی، بیس برس الور میں اپنے پیر کے پاس رہے، پیر کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ پھر بسبب بعض سوانح کے دلی آگئے۔ مگر الور کے راجہ کی دعوت پر دوبارہ الور پہنچے وہاں ۱۲۵۹ھ میں انتقال کیا، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے (چند فارسی اشعار بھی نقل کئے ہیں) تذکرۂ اہل دہلی ص۴۰ و ۴۱ امیر شاہ خان، سرسید کے استاد مولانا فیض الحسن سہارن پوری وغیرہ کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ فدا حسین سرسید کے نانا کا بھائی اور نہایت بد دین صوفی تھا، جب شاہ اسماعیل شہید کے وعظوں کا زور شور تھا تو اس زمانے میں فدا حسین رسول شاہی کا بھی زور شور تھا، مولانا نے فدا حسین کے فتنے کو دور کرنے کی کوشش کی اور اس کے مریدوں کے پاس پہنچ کر اور ان کو پکڑ پکڑ کر اور فدا حسین کے جلسوں میں جاجا کر امر بالمعروف کرنا شروع اس کا اثر یہ ہوا کہ

Marfat.com

فدا حسین کے کئی مرید تائب ہو کر مولنا کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس پر فدا حسین کے مریدوں کو بہت صدمہ ہوا اور اس سے کہا کہ آپ مولنا پر تصرف کیوں نہیں کرتے، فدا حسین نے کہا کہ خبردار کبھی مولنا سے نہ الجھنا ص ۵۔ دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ فدا حسین جب اکبری مسجد کے نیچے سے نکلتا جس میں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے تو بھاگ کر نکلتا، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا جب میں اس مسجد کے نیچے سے نکلتا ہوں تو قلب میں جو ہوتا ہے سلب ہو جاتا ہے جب جب مسجد کی حد سے خارج ہوتا ہوں تو پھر آجاتا ہے،" حکایات الاولیاء، طبع لاہور۔

Marfat.com

کتابیات

آثار الصنادید:- سرسید احمد خاں۔ (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۶ء)

آثاراتِ پھلواری:- حکیم محمد شعیب (پٹنہ ۱۹۵۳ء)

الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند:- حکیم عبدالحیٰ (دمشق ۱۹۵۸ء)

الثورۃ الہندیہ (مولانا فضل حق خیرآبادی) مرتبہ مولوی عبدالشاہد خاں شروانی۔ (مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء)

اُردوئے معلیٰ۔ غالب (مطبوعہ)

اسبابِ بغاوتِ ہند:- سرسید احمد خاں۔ مرتبہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (کراچی ۱۹۵۷ء)

بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد:- رئیس احمد جعفری (کتاب منزل، لاہور ۱۹۵۵ء)

بہادر شاہ کا روزنامچہ:- شائع کردہ خواجہ حسن نظامی (مطبوعہ دہلی)

تاریخ سرکشی ضلع بجنور:- ڈاکٹر معین الحق (سلمان اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۲ء)

تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ:- ذکاء اللہ دہلوی (مطبوعہ دہلی)

تاریخ مدرسہ عالیہ:- مولوی عبدالستار (مدرسہ عالیہ ڈھاکہ ۱۹۵۹ء)

تذکرہ اہل دہلی (سرسید احمد خاں) مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی (انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۵۵ء)

تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) ترجمہ و مترجمہ محمد ایوب قادری (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء)

تذکرہ فضل رحمان گنج مرادآبادی:- مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ (لکھنؤ ۱۳۷۷ھ)۔

Marfat.com

جوہرۂ فریدیہ:۔ فریدالدین خاں (مصلح المطابع دہلی)
حکایات الاولیاء:۔ مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی (مطبوعہ لاہور)
حیات جاوید:۔ خواجہ الطاف حسین حالی (مفید عام پریس آگرہ ۱۹۰۳ء)
راجگان ہند:۔ نجم الغنی خاں رام پوری (ہمدم برقی پریس لکھنؤ ۱۹۲۷ء)
سرطامس مٹکاف کی ڈائری:۔ شائع کردہ خواجہ حسن نظامی (مطبوعہ دہلی)
سفینۃ الاولیاء:۔ محمد دارا شکوہ (نول کشور پریس ۱۸۸۴ء)
علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) مرتبہ، ایوب قادری (ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۰ء)
عود ہندی:۔ غالب (مطبوعہ) ۱۹۴۱ء
قیصر التواریخ:۔ کمال الدین حیدر (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۷ء)
کلیات نثر (فارسی) غالب (نول کشور پریس لکھنؤ)
لائل محمڈنس آف انڈیا:۔ سرسید احمد خاں (مفصلائٹ پریس آگرہ ۱۸۶۱-۲ء)۔
مسلمانوں کا روشن مستقبل:۔ طفیل احمد منگلوری (نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۶ء)
مکتوبات سرسید:۔ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل (مجلس ترقی ادب لاہور)
ملفوظات شاہ عبدالعزیز:۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (مجتبائی پریس میرٹھ ۱۳۱۴ھ)
میمائرس آف حکیم احسن اللہ خاں:۔ مرتبہ ڈاکٹر معین الحق (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۵۹ء)
نزہۃ الخواطر (جلد ہفتم) حکیم عبدالحئی (دائرۃ المعارف اسلامیہ، حیدرآباد ۱۹۵۹ء)
نفحات الانس:۔ عبدالرحمان جامی (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۵ء)
واقعات دارالحکومت دہلی (جلد دوم) مولوی بشیرالدین احمد (آگرہ ۱۹۱۹ء)

Marfat.com

Marfat.com